ماہر رضویات نمبر
2
مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال
معارفِ رضا
مدیر اعلیٰ
سید وجاہت رسول قادری
شمارہ: ۷، ۸
جلد نمبر 28
مدیر
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)
اسلامی جمہوریہ پاکستان
www.imamahmadraza.net

پیو ٹھنڈا ٹھنڈا ،

بولو میٹھا میٹھا !!

ماہنامہ

کراچی

مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال

جولائی، اگست ۲۰۰۸ء

جمادی الثانی، رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

جلد: ۲۸ شمارہ: ۷، ۸



**ہدیہ شمارۂ خاص:** 60 روپے

**سالانہ:** عام ڈاک سے: -/200 روپے

رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے

**بیرونِ ممالک:** 30 امریکی ڈالر سالانہ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

**نوٹ**

رقم دستی یا منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارف رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214- حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

**نوٹ:** ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/ مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+
ای۔میل imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

# فہرست
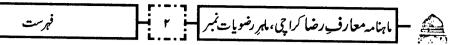

| نمبر شمار | مضامین | نگارشات | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | نعت رسولِ مقبول ﷺ ۔ قصیدۂ معراجیہ | اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ | 4 |
| ۲۔ | منقبتِ اعلیٰ حضرت۔ امام احمد رضا علم و سعادت کا سمندر ہیں | پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم فرخی | 5 |
| ۳۔ | مادہ ہائے تاریخ بروصال حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ | پروفیسر ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم | 6 |
| ۴۔ | اپنی بات: ۱۔ مسعودِ ملت کے بعد۔ اگر رفیقِ شفیقی درست پیماں باش | صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری | 8 |
| ۵۔ | اپنی بات: ۲۔ امام احمد رضا خاں اور خدماتِ ماہرِ رضویات | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | 10 |
| ۶۔ | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب۔ سب سے پہلے ماہرِ رضویات | مفتی ڈاکٹر مکرم احمد دہلوی | 19 |
| ۷۔ | مسعودِ ملت۔ دنیائے علم و ادب کی انقلاب آفرین شخصیت | مولانا محمد عبدالمبین نعمانی | 25 |
| ۸۔ | ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا اسلوبِ تحریر و تحقیق | ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی | 27 |
| ۹۔ | مسعودِ ملت کے نقوشِ تابندہ | علامہ یٰسین اختر مصباحی | 33 |
| ۱۰۔ | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ سب سے پہلے ماہرِ رضویات | ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی | 35 |
| ۱۱۔ | آہ تاجورِ امارات قلم | ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی | 42 |
| ۱۲۔ | علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا المناک سانحۂ ارتحال | علامہ محمد حسن علی رضوی بریلوی میلسی | 46 |
| ۱۳۔ | پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں کے چراغ | پیرزادہ اقبال احمد فاروقی | 49 |
| ۱۴۔ | پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود علیہ الرحمۃ۔ فکرِ رضا کے حقیقی ترجمان | علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی | 53 |
| ۱۵۔ | مسعودِ ملت کی حیات کے درخشاں گوشے | مفتی محمد عبید الحق نعیمی قادری | 57 |
| ۱۶۔ | ماہرِ رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا اسلوبِ تحریر و تحقیق | مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی | 60 |
| ۱۷۔ | ایک صاحب کردار استاد | پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری | 64 |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۸۔ | مسعودِ ملت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ | مولانا محمد شعیب قادری | 72 |
| ۱۹۔ | مسعودِ ملت کی نگاہ میں مکتوب نگاری اور مضمون نگاری | مفتی احمد میاں برکاتی | 74 |
| ۲۰۔ | وصالِ مسعودِ ملت قدس سرہٗ | پروفیسر پیر نثار احمد جان مجددی سرہندی | 76 |
| ۲۱۔ | مسعودِ ملت ماہرِ رضویات | محمد نظام الدین | 79 |
| ۲۲۔ | آج کا دیدہ ور مسعودِ ملت | ڈاکٹر محمد نبیلہ اسحٰق محمد ابراہیم | 81 |
| ۲۳۔ | قصیدۃ الی فضیلۃ العلامہ الدکتور/محمد مسعود احمد | ڈاکٹر محمد نبیلہ اسحٰق محمد ابراہیم | 82 |
| ۲۳۔ | نادرِ دہر تھے.......... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد | ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی | 83 |
| ۲۴۔ | پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علماء اور دانشور حضرات کی نظر میں | ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی | 86 |
| ۲۵۔ | مسعودِ ملت اور جہانِ رضا کی سیر | محمد ارشاد عالم نعمانی | 89 |
| ۲۶۔ | حیرت کی فراوانی | غلام مصطفیٰ رضوی | 96 |
| ۲۷۔ | محققِ رضا مسعود علیہ الرحمۃ | شاہ محمد تبریزی القادری | 103 |
| ۲۸۔ | آہ! ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی | الحاج محمد داؤد رضوی | 105 |
| ۲۹۔ | محققِ مجددِ دین | ابوالرضا گلزار حسین قادری | 108 |
| ۳۰۔ | یادِ مسعودِ ملت | محمد علی سومرو مسعودی | 113 |
| ۳۱۔ | اِک شمع اور بجھی | صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری | 115 |
| ۳۲۔ | ریویو برائے ایم۔ اے تھیسس | سلیم اللہ جندران | 117 |


نوٹ: ماہرِ رضویات مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ پر جن مقالہ نگار حضرات کے مضامین ادارے کو موصول ہوئے اور اس شمارے میں شامل ہونے سے رہ گئے، ان کے مضامین ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والے آئندہ شماروں میں شائع کیے جائیں گے۔

معراج نظم نذر گدا بحضور سلطانُ الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثنا

# در تہنیت شادی اسرا

از اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیِ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنْ تَرانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

نبیِ رحمت شفیعِ امت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے
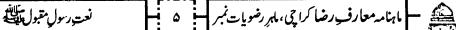
# منقبت بحضور امام احمد رضا خاں

از پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم فرخی☆

امام احمد رضا علم و سعادت کا سمندر ہیں
امینِ دولتِ حق، رہبرِ راہِ پیمبر ہیں

صنائع خانۂ عالم میں ہیں گل کاریاں ان سے
ضیاءِ خواجۂ عالم سے ممتاز و منور ہیں

ان ہی کے فیض سے رخشاں ہیں راہیں دین و دانش کی
ان ہی کا فیض ہے اب تک کہ یہ راہیں منور ہیں

وہ اعلیٰ حضرت اعلیٰ مرتبت فہم و ذکا فطرت
یہ راہیں ان کی نسبت ہیں کہ وہ حق گوئی کے پیکر ہیں

جمالِ حرفِ معنی ہیں گریزِ لن ترانی ہیں
وقارِ خوش بیانی ہیں، صفیروں میں مُفتخَر ہیں

دیارِ دل میں ان کے فیض سے ہر سُو اجالا ہے
سکونِ قلبِ مضطر ہیں، علاجِ دیدۂ تر ہیں

سخن میں تازگی ان سے، سخن میں روشنی ان سے
سخن گو ہیں، سخن داں ہیں، سخن پرور، سخن ور ہیں

ادائے حق، رضاءِ حق، عهدِ حق برائے حق
امام احمد رضا کی آئینہ سازی کے جوہر ہیں

کہاں اتنی مجال اسلم کہ میں حرفِ ثنا لکھوں
امام احمد رضا علم و سعادت کا سمندر ہیں

☆ سابق رجسٹرار و صدر شعبۂ اردو، جامعہ کراچی۔

# ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی کی رحلت پر

## نتیجۂ فکر

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ☆

ہوگیا ہے حضرتِ مسعود احمد کا وصال ‏ ‏ ملتِ اسلامیہ غم سے ہوئی ان کے نڈھال

دفعتاً مجھ کو ملی جب ان کی رحلت کی خبر ‏ ‏ اشک آنکھوں سے بہے دل کو ہوا صدہا ملال

عقل کو تشویش ہے کہ حادثہ کیونکر ہوا ‏ ‏ دل ہے لیکن مطمئن کہ حکمِ رب ہے لایزال

موت ہے ہر اک نَفَس کو اس میں کوئی شک نہیں ‏ ‏ بس وہی باقی رہے گا اور ہے سب کو زوال

بس گئے جاکر جوارِ رحمتِ باری میں وہ ‏ ‏ ہم ابھی تک پیکرِ رنج و الم، شوریدہ حال

دہلی کے اُس خانوادے کے تھے وہ چشم و چراغ ‏ ‏ اہلِ ہند و پاک میں جس کا رہا علمی جلال

فقہ و تفسیر و حدیث و نحو و صرف و فلسفہ ‏ ‏ سیرت و عرفان سب میں ان کو حاصل تھا کمال

اعلیٰ حضرت کون تھے، دنیا کو وہ بتلا گئے ‏ ‏ مُلکِ رضویات کے تھے حکمراں ہے یہ خیال

وہ حقیقت میں محقق ان کی ہر شے پر نظر ‏ ‏ ان کی ہر تحقیق عمدہ، ان کی باتیں بے مثال

نقشبندی سلسلہ کا فیض حاصل تھا انہیں ‏ ‏ بزرگانِ دین سے ان کی محبت اِک مثال

عاشقِ صادق وہ حضرت شیخ سرہندی کے تھے ‏ ‏ پندرہ جلدوں میں سوانح جس کی ہے واضح مثال

وہ محبِ مصطفیٰ تھے، خلد ان کا مستقر ‏ ‏ شک نہیں اس میں ذرا بھی، ہے اگر، دل سے نکال

تابعِ فرمانِ نبوی (ﷺ) اہلِ سنت کے نقیب ‏ ‏ حامیٔ اہلِ محبت، ماحیٔ کفر و ضلال

عاملِ قرآن و سنت، عابدِ شب زندہ دار ‏ ‏ مرکزِ رشد و ہدایت، خوش عقیدہ، خوش خصال

صاحبِ طرزِ نگارش، واقفِ رازِ سخن ‏ ‏ مالکِ خُلقِ حسن، جادو رقم، شیریں مقال

مسلکِ احمد رضا خاں کی اشاعت تھا مشن ‏ ‏ وقف تھے جس کے لیے سب زندگی کے ماہ و سال

ایک عرصہ تک ملازم تھے حکومت پاک کے ‏ ‏ شعبۂ تعلیم میں تھی ان کی خدمت بے مثال

---

☆ صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی)، ہمدرد نگر، نئی دہلی، انڈیا۔

''مرکزِ تحقیق امام احمد رضا'' کو مل گئی
ان کی تنہا ذات سے شہرت جہاں میں لازوال

اہلِ دانش، اہلِ فن ان سے رجوع کرتے رہے
علم میں آنکھیں ملائے کوئی ان سے کیا مجال

وہ شریعت وہ طریقت دونوں کے سنگم حسیں
صاحبانِ دین و دانش معترف بے قیل و قال

وہ تھے پابندِ شریعت اپنے قول و فعل میں
دیکھتے وہ غور سے کیا ہے حرام و کیا حلال

سادگی، سادہ مزاجی، انکساری تھی بہت
نہ تھی ان میں تمکنت نہ ان میں تھا جاہ و جلال

ظاہر و باطن تھا یکساں، سب کو تھی اس کی خبر
سیرت وصورت میں دونوں پیکرِ حسن و جمال

وہ وحیدِ عصر تھے، ان کا کوئی ثانی کہاں
اس سے کہہ دو یہ جواباً گر کرے کوئی سوال

شمعِ علم و فن کے بجھتے ہی اندھیرا چھا گیا
پھر جہاں میں کس طرح علمی فضا ہوگی بحال

ان کے جاتے ہی جہاں سے علم جیسے اٹھ گیا
صاحبانِ علم ان جیسے جہاں میں خال خال

ان کے اوصاف و محامد یہ قلم کیا کیا لکھے
وہ سمندر تھے یہ قطرہ ہے لکھا جو خدّ و خال

ان پہ فضلِ خاص فرما اے خدائے ذوالمنن
نور سے تو قبر بھر دے، خیر کر ان کا مآل

شافعِ محشر کی تُو ان کو شفاعت کر نصیب
مالکِ روزِ قیامت تُو ہی ہے اے ذو الجلال

قبر جنت کی بنا کیاری خدایا فضل سے
مغفرت اور عفو سے ہو قبر ان کی مالامال

جنت الفردوس میں صحبت ملے سرکار کی
یہ دعا تجھ سے ہے میری اے خدائے ذوالجلال

اپنے فضلِ خاص سے تُو جس کو چاہے بخش دے
کچھ نہیں ہے غیر ممکن، کچھ نہیں امرِ محال

مجھ کو تھی ان سے عقیدت، وہ تھے میرے محترم
پھر نہ کیوں فرطِ عقیدت سے لکھا جائے یہ حال

پس روانِ حضرتِ مسعود کو صبرِ جمیل
دور کر ان کے دلوں سے خدا رنج و ملال

جب ہوئی یہ فکر دامن گیر کہ کیسے لکھوں
ان کی رحلت کب ہوئی ہے، کب ہوا ہے انتقال

ہاتفِ غیبی سے کانوں میں مرے آئی صدا
دل کو اپنے تھام کر لکھ قطعہ تاریخِ وصال

وہ ''عزیز القدر'' (۴۲۹) تھے اس کا عدد لے کر پڑھیں
''جانبِ خلدِ بریں ان کا ہوا شدِ رحال'' (۱۵۷۹)

۴۲۹ + ۱۵۷۹ = ۲۰۰۸ء

پیش انجم ہے تہِ دل سے محبت کا خراج
کر قبول یارب طفیلِ سیدی حضرت بلال

اپنی بات۔۱

# مسعودِ ملت کے بعد۔۔۔

# اگر رفیق شفیقی درست پیماں باش!

مدیرِ اعلیٰ **صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری** کے قلم سے

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

معارفِ رضا کے ''ماہرِ رضویات'' نمبر کا دوسرا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آج جبکہ زیرِ نظر شمارہ پریس میں جارہا ہے، ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً ۳ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ غم واندوہ کی جو کیفیت تھی اس میں افاقہ ہوا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ تمام افراد اور ادارے جنہوں نے مسعودِ ملت مرحوم و مغفور کی زیرِ نگرانی وسرپرستی علمی، تصنیفی وتحقیقی سفر کا آغاز کیا تھا، بالخصوص ''رضویات'' کے حوالے سے ۱۹۶۸ء سے اپریل ۲۰۰۸ء تک ایک طویل فاصلہ کامیابی وکامرانی سے طے کیا، اپنی اپنی کارکردگی کا ازسرِنو جائزہ لیں اور ان کے بتائے ہوئے رہنما اصول کے تحت مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ ایک نئے جذبے سے سرشار تحقیقی وتصنیفی کام کو آگے بڑھائیں۔ یاد رہے کہ زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے۔ تلاش وجستجو، غور وفکر اور تحقیق و تدقیق کا سفرِ مسلسل ارتقائے فکر وعلم، احقاق وانکشافِ حق کے لیے ضروری ہے۔ معلمِ کائنات، پیغمبرِ اعظم، سید عالم ﷺ کی یہی تعلیم ہے۔ صحابۂ کرام، ائمہ کرامانِ امت اور اولیاء وعلماءِ ملت بالخصوص امام الاولیاء سیدنا ومولانا شیخ عبدالقادر محی الدین جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی طریقہ رہا ہے، دورِ ماضی قریب میں سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں حنفی قادری برکاتی قدس اللہ سرہ السامی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) نے اسی کا عملی نمونہ پیش کیا اور ہمارے ممدوح، ماہرِ رضویات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے انہی کے نورِ علم سے کسبِ فیض کرتے ہوئے علم وتحقیق کے دریا بہائے اور اقبال کے ان اشعار کی زندہ تفسیر بن گئے:

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

اور آج مسعودِ ملت کے چشمۂ علم وعرفاں سے ہزارہا جویانِ حق سیراب ومستفیض ہورہے ہیں اور ان شاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

امام احمد رضا محدثِ بریلی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تعلیمات وتحقیقات، احوال وآثار اور حیات وخدمات پر تحقیق کا پاکستان میں باقاعدہ طور پر کام حکیم الامت حضرت حکیم موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ کی زیرِ قیادت ۱۹۶۸ء میں شروع ہوا، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نقشبندی رحمہ اللہ کی نگرانی میں پروان چڑھا اور بحمد اللہ، تاحال نہ صرف جاری ہے بلکہ روز افزوں ہے، ترقی پذیر ہے۔ آج اگر امام احمد رضا کی تعلیمات و

تصنیفات، آثار وتحقیقات اور فکر واحوال کی متنوع جہتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ''رضویات'' کا مطالعہ فی نفسہٖ علم کے ایک الگ شعبہ کے طور پر ابھر چکا ہے اور بلا شبہ اس منزل تک پہنچنے میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مرحوم ومغفور کی اپنی علمی وتحقیقی کاوشوں اور حقیقت اشعار، علم دوست اور حق طلب حضرات کی سرپرستی ورہنمائی کا بے حد دخل ہے۔

علم وتحقیق کی اس اعلیٰ منزل تک پہنچنے میں انہیں تقریباً چالیس سال لگے۔ اس عرصے میں انہوں نے رضویات، مجددیات، سیرت النبی ﷺ، اصلاح معاشرہ، تصوف اسلامی اور صالح خانقاہی روایات کے فروغ میں قابل ورشک کام کیا ہے، خود ایک پی۔ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالہ کا متقاضی ہے۔ ان درج بالا کام کی ہر جہت اہلِ علم وتحقیق کو دعوتِ فکر وقلم دے رہی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ

۱۔ ان تمام مذکورہ جہتوں سے ان کے علمی آثار کو ازسرِنو منظم اور منضبط کیا جائے۔

۲۔ صاحبانِ علم وتحقیق سے ان پر تحقیقی مقالات لکھوائے جائیں۔

۳۔ مسعودِ ملت کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں پر سیمینار منعقد کیے جائیں۔

اب یہ کام مسعودِ ملت کے ورثاء اور مریدانِ باصفا کا ہے کہ آئندہ وہ کس حیثیت سے دنیاءِ علم وتحقیق میں ان کو متعارف کراتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ایک پیرِ طریقت بھی تھے لیکن اگر ان کے عقیدتمندوں نے ان کو محض اس حیثیت سے متعارف کرانے کی کوشش کی اور کرامات وخرقِ عادات کا سہارا لیا اور اپنی محبت و خوش عقیدگی کے اظہار کے لیے کسی ایسے منصب (مثلاً ''مجددیت'') کو ان سے منسوب کرنے کی سعی لاحاصل کی جس کا علماءِ زمانہ انہیں اہل نہ سمجھتے ہوں تو یہ بڑی نادانی ہوگی جس سے ڈاکٹر صاحب مرحوم مغفور کے مقام ومرتبہ کو نقصان پہنچے گا جس سے نہ صرف یہ کہ ان کی شخصیت مریدوں اور عقیدتمندوں کے محدود حلقے میں محصور ہو کر رہ جائے گی بلکہ ان کا جو علمی ورثہ اور تحقیق وتصنیف کی دنیا میں اعلیٰ مقام ہے وہ بھی پسِ منظر میں چلا جائے گا۔ لہٰذا ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے اور مسعودِ ملت کی حیات میں بھی ہم یہ مخلصانہ مشورہ دیتے رہے ہیں کہ اپنے اندر کے نادان دوستوں اور مسعودِ ملت کے مخلصین میں امتیاز کریں اور ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ مسعودِ ملت کی اولاد صوری ومعنوی، اسم بامسمہ ان کے جانشین، جن کے چہرہ مہرہ سے سعادت کے آثار نظر آرہے ہیں، محبی وعزیزی فاضل نوجوان جناب محمد مسعود احمد حفظہ اللہ الاحد معاملات کو پرکھنے اور سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ یقیناً اپنے والد ماجد کے اعلیٰ مقام کے عارف ہیں، وہ ذمہ دارانہ رویہ اور صدق مقال کا مظاہرہ کرتے ہوئے وسیع و عریض علمی دنیا میں مسعودِ ملت کے محبین کو ہرگز مایوس نہیں کریں گے اور خود اپنی نیک نامی کا بھی باعث بنیں گے۔

اِک صدقِ مقال ہے کہ جس سے
میں چشمِ جہاں میں ہوں گرامی
اللہ کی دین ہے جسے دے
میراث نہیں بلند نامی
اپنے نورِ نظر سے کیا خوب
فرماتے ہیں حضرتِ نظامیؔ
''جائے کہ بزرگ بایدت بود
فرزندیِ من ندارت سود''

(اقبالؔ۔ضربِ کلیم)

﴿اپنی بات۔۲﴾
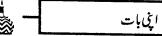
# امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی

# اور خدماتِ ماہرِ رضویات حضرت مسعودِ ملت

مدیر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کے قلم سے

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی دہلوی ابن مفتی شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی [المتوفی ۱۴رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ ۲۸رنومبر ۱۹۶۶ء] ابن مفتی شاہ محمد سعید نقشبندی دہلوی [المتوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۹۸۸۹ء] ابن مفتی شاہ محمد مسعود نقشبندی مجددی محدثِ دہلوی [المتوفی ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء] دہلی میں ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے اور ایک طویل بامقصد زندگی گزار کر خدمتِ دین کرتے ہوئے ۲۲ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۲۸راپریل ۲۰۰۸ء بروز پیر (وصالِ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دن) نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ O ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ O فادخلی فی عبادی O وادخلی جنتی O

(سورۃ الفجر: ۲۷۔۳۰)

"اے اطمینان والی جان [یہ مومن سے اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ موت کا ذائقہ چکھ کر دنیا سے سفرِ آخرت کی طرف روانہ ہوتا ہے] اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ۔"

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کا خاندان برصغیر پاک و ہند میں فروغِ شریعت و طریقت یعنی فروغِ مسلک حنفی اور فروغِ طریقہ نقشبندی میں ممتاز اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے خاندان کے پردادا مفتی شاہ محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی محدثِ دہلوی نے دہلی میں دارالافتاء اور دارالحدیث قائم کرنے کے ساتھ ساتھ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ کی بنیاد بھی ڈالی اور آپ نے ۱۸۵۸ء تا ۱۸۹۲ء دارالافتاء میں بحیثیت مفتی خدمت انجام دی جس کے باعث "فتاویٰ مسعودی" مرتب ہوا جو پاک و ہند سے کئی دفعہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ آپ کے بعد آپ کے پوتے اور قبلہ ڈاکٹر صاحب کے والدِ محترم مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی نے یہ خدمتِ افتاء ۱۹۰۶ء سے ۱۹۶۶ء تک انجام دی اور آپ کے تمام فتاویٰ "فتاویٰ مظہریہ" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان دونوں فتاویٰ کی حضرت مسعود احمد علیہ الرحمہ نے تدوین فرمائی ہے۔

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمہ خود تو مفتی نہ تھے مگر آپ کے کئی بھائیوں نے اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے خدمتِ افتاء انجام دی اور حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی کے بعد ان کے صاحبزادگان مفتی محمد مشرف احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۸۱ء]، مفتی محمد مظفر احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۷۱ء]، مفتی حافظ محمد احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۷۰ء]، مولانا مفتی منور احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۴۵ء]، مولانا محمد منظور احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۴۹ء] اور مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد دہلوی [المتوفی ۱۹۹۲ء] نے دارالافتاء کی خوب خدمت انجام دی اور ان دنوں مولانا مفتی ڈاکٹر مکرم احمد دہلوی اپنے دادا کے دادا کی دہلی کی جامع مسجد شاہی فتح پوری میں قائم کردہ دارالافتاء میں پانچویں پشت میں خدمتِ افتاء انجام دے رہے ہیں ساتھ ہی سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ کے جانشین کی حیثیت سے بھی ملتِ اسلامیہ کی اصلاح میں مصروف ہیں۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے تھے اور ہجرت سے قبل اپنے والد کے مدرسہ عالیہ میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھتے رہے جبکہ ۱۹۴۷ء میں علومِ شرقیہ کی سند اورنٹیل کالج، دہلی سے حاصل کی۔ پاکستان آنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے اور پھر ۱۹۵۸ء میں جامعہ سندھ سے اردو میں ایم۔اے کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ سندھ سے پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ سند ''اردو میں قرآنی تراجم وتفاسیر'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ مقالہ کی تیاری کے دوران آپ کے استاد اور پی۔ایچ۔ڈی کے نگران پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے آپ کو امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ کے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے مطالعہ کی طرف رغبت دلائی جس کے باعث حضرت مسعودِ ملت امام احمد رضا کے علمی جوہر سے پہلی مرتبہ روشناس ہوئے۔ چنانچہ آپ خود اس حقیقت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''استادِ محترم نے ۳۶ سال قبل خود راقم کو ہدایت فرمائی کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان مطالعہ کیا جائے کہ قرآنی ترجم میں بہترین ترجمہ ہے۔''

(تقدیم بر کتاب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ از پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ص:۲، مطبوعہ ۱۹۹۴ء)

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کو امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کے علمی خزانہ کی طرف کام کرنے کے لیے جن حضرات نے رہنمائی فرمائی اس میں مجلسِ رضا، لاہور [قائم کردہ ۱۹۷۰ء] کے اراکین کا اہم کردار ہے خاص کر محترم جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری، محترم جناب محمد عارف رضوی ضیائی مدظلہ العالی، محترم جناب مقبول احمد ضیائی [التوفی ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ] کے اسماء گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے اپنا پہلا مقالہ ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کے عنوان پر لکھا جسے مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔ جلد ہی دوسرا اہم مقالہ بعنوان ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیا اور یوں حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ، امام احمد رضا کی شخصیت اور علمی کارناموں کو عوام الناس کے سامنے قلمی شاہکار کی صورت میں پیش کرنے میں مصروف ہوگئے۔ کسے خبر تھی کہ آپ ۳۵ سال اس شخصیت پر کام کریں گے اور دنیا میں امام احمد رضا کو متعارف کرائیں گے اور ان کی علمی حیثیت کو منوائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت پروفیسر مسعود صاحب علیہ الرحمہ سے یہ کام لینا تھا چنانچہ وہ اپنے مشن میں کامیاب رہے۔

راقم یہاں ڈاکٹر صاحب کی علمی خدمات کا جائزہ نہیں لے رہا ہے۔ یہاں صرف ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے حوالہ سے ان کی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا جس کے باعث امام احمد رضا ۲۵ سالوں میں دنیا کی بڑی بڑی جامعات میں اور وسیع علمی حلقے میں متعارف ہوئے۔

حضرت مولانا سید ریاست علی قادری نوری علیہ الرحمہ (التوفی ۱۹۹۲ء) پاکستان کے ٹیلیفون کے محکمہ میں ملازم تھے اور مولوداً بریلوی ہونے کے باعث امام احمد رضا سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ان کے سامنے ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۹ء مجلسِ رضا، لاہور کی کارکردگی بھی تھی۔ آپ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ دس سالوں میں امام احمد رضا کے تعارف میں زیادہ تر ان کی نعتیہ شاعری پر زیادہ تحقیق ہوئی جبکہ دوسری جہتوں میں بہت کم مقالات لکھے گئے ہیں۔ سوائے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مقالات کے اکثر لکھنے والے پرانی باتوں کو ہی پیش کر دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے اسی جذبہ کے تحت ۱۹۷۹ء میں بریلی شریف کا دورہ کیا اور وہاں موجود علماء و مشائخ بالخصوص خانوادۂ رضا سے تعلق رکھنے

والے حضرات سے ملاقاتیں کیں خاص کر مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مصطفیٰ خاں قادری برکاتی نوری رضوی (التوفی ۱۹۸۲ء) علیہ الرحمہ سے ملاقات کرکے امام احمد رضا کے قلمی خزانے سے ۱۰۰ سے زیادہ قلمی مسودات کی نقول حاصل کرکے پاکستان لائے اور سب سے پہلے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے رابطہ کرکے ان سے ملاقات کا وقت لیا اور یہ سب علمی خزانہ ان کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب تو علمی خزانے کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور فرمایا کہ اب اس کام کو سمیٹنے کے لیے ایک ادارہ کی ضرورت ہے اور ایک ٹیم کی ضرورت ہے جو اس علمی خزانے کو عوام الناس کے سامنے پیش کرسکے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے حکم اور مشورہ پر سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ نے اپنے حلقۂ احباب پر نظر ڈالی اور چند افراد کو ان میں سے منتخب کرکے وہ لسٹ ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گئے۔ ان میں سے جن افراد کو ٹیم میں شامل رکھا گیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مفتی تقدس علی خاں قادری رضوی حامدی بریلوی (التوفی ۱۹۸۷ء)
۲۔ حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی صدیقی (التوفی ۱۹۹۲ء)
۳۔ حضرت مولانا شفیع محمد قادری حامدی (التوفی ۲۰۰۵ء)
۴۔ سید وجاہت رسول قادری (موجودہ صدر ادارہ)
۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ العالی
۶۔ حاجی عبداللطیف قادری نوری زید مجدہٗ

ان تمام حضرات کی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور سید ریاست علی قادری صاحب کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور پندرہویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں ۱۹۸۰ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا قائم کیا گیا جس میں چند اہم نکات طے کیے گئے:

۱۔ ہر سال اعلیٰ پیمانہ پر کسی اچھے ہوٹل میں امام احمد رضا کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اساتذہ کرام، اسکالرز اور دیگر شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے امام احمد رضا پر مقالات پیش کریں۔
۲۔ ادارہ ہر سال ''معارفِ رضا'' کے نام سے سالنامہ شائع کرے جس میں کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات کو شائع کیا جائے۔
۳۔ پاک و ہند کے اہلِ قلم کا تعاون حاصل کیا جائے تاکہ معیاری مقالات حاصل ہوسکیں۔
۴۔ امام احمد رضا کو جامعات، کالج اور اسکول کے اساتذہ کرام کے درمیان متعارف کرایا جائے۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی ان تمام سفارشات کو سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ نے پورا کرنے کے عزم کیا اور ادارہ کی تشکیل کے بعد ان احباب کے ساتھ مل کر کام کا آغاز کیا اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس مشن کو آگے بڑھانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ قارئین کی معلومات کے لیے اتنا عرض کرتا چلوں کہ ادارہ کا نام اور سالنامے کا نام حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی کا تجویز کردہ ہے جبکہ اس ادارہ کا آفس سید صاحب کا گھر قرار پایا۔

حضرت پروفیسر ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان قلمی ذخیرہ میں سے امام احمد رضا کے ایک حاشیہ کا انتخاب فرمایا جو امام احمد رضا نے ایک لوگارثم کے رسالہ پر قلمبند کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حواشی پر تقدیم بھی لکھی۔ ادارہ کے قیام کے فوراً بعد قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی پہلی تحریر اس لوگارثم پر تقدیم ہے جس میں امام احمد رضا کا مختصر مگر بہت ہی جامع علمی تعارف کرایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ تقدیم ۹ دسمبر ۱۹۷۹ء کو لکھی تھی اور دنوں آپ سکرنڈ ضلع نواب شاہ کے گورنمنٹ سائنس کالج کے پرنسپل تھے۔

ادارہ کے قیام کے بعد ۱۹۸۱ء میں پہلا شمارہ ''معارفِ رضا'' کے نام سے شائع کیا جس میں برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء اور اسکالرز حضرات نے مقالات لکھے تھے اس میں ڈاکٹر صاحب کا مقالہ بعنوان ''جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا'' بالکل منفرد اور علمی طور پر انتہائی مدلل اور پُرمغز تھا۔ اس مقالے سے ایک

انتہائی مختصر اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''امام احمد رضا نے جدید و قدیم نظریات کے مقابلے میں اپنے نظریات پیش کیے ہیں جن میں بعض جدید نظریات سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ گو نصف صدی قبل وہ نامعقول نظر آتے ہوں کیونکہ وہ زمانہ جدید سائنس سے مغلوبیت اور مرعوبیت کا زمانہ تھا۔ علومِ جدیدہ کے رعب نے دماغ کو ماؤف اور فکر کو مسلوب کر دیا تھا اور ناقص کو کامل پر فوقیت دی جارہی تھی۔''

(معارفِ رضا، شمارہ اول، ص: ۲۵، ۲۶) مطبوعہ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء، کراچی)

اس مقالہ کے آخر میں یاس و حسرت کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''جدید و قدیم سائنس کے متعلق امام احمد رضا نے جو کچھ لکھا، وہ بیشتر فارسی اور عربی میں ہے۔ اردو میں بہت کم ہے چنانچہ علمی دشواری یہ ہے کہ اہلِ علم و فن عربی اور فارسی سے واقف نہیں اور جو لوگ یہ زبانیں جانتے ہیں وہ علومِ جدیدہ پر حاوی نہیں۔''

(معارفِ رضا، جلد اول، ص: ۲۹، مطبوعہ ۱۹۸۰ء، کراچی)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ نے ۱۹۸۲ء میں ایک انتہائی اہم مونوگراف ''دائرہ معارفِ رضا'' کے نام سے مرتب کیا جس میں امام احمد رضا کے حیات و افکار پر ۱۵ ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک جامعہ منصوبہ کا خاکہ پیش کیا جس کو ادارہ نے شائع کیا۔ اس خاکہ کے آغاز میں اس منصوبہ کی اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''پندرہ مجلدات کو مرتب کرنے کے لیے ایک زمانہ چاہیے۔ یہ کام فرد کا نہیں بلکہ ادارہ ہی کر سکتا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری معروفیات کی وجہ سے اس منصوبے کی تکمیل راقم کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے اس وقت یہ ہی مناسب خیال کیا کہ اس منصوبے کا خاکہ محققین کے لیے شائع کر دیا جائے۔ راقم نے حیاتِ امام احمد رضا ارتقائی صورت میں پیش کیا ہے۔ پہلے پہل ایک مختصر سوانح حیاتِ فاضل بریلوی کے عنوان سے شائع ہوئی اور ایک متوسط سوانح حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے عنوان سے شائع ہونے والی ہے اس کے بعد بسیط سوانح پیش کی جائے گی جو تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی ان شاء اللہ۔'' (حرفِ آغاز بر کتاب ''دائرہ معارفِ رضا''، ص: ۱۱، مطبوعہ ۱۹۸۲ء، کراچی)

ڈاکٹر صاحب نے معارفِ رضا شمارہ دوم کے لیے بھی ایک جامع مقالہ بعنوان ''عالمی جامعات اور امام احمد رضا'' لکھا جس کے باعث پاک و ہند کی جامعات میں بالخصوص امام احمد رضا پر تحقیق کے لیے تحریک پیدا ہوئی اور یکے بعد دیگرے پاک و ہند کی جامعات میں PhD کے Synopsis امام احمد رضا کے حوالہ سے جمع کیے جانے لگے اور ان سب کی حقیقی نگرانی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ہی فرما رہے تھے۔

ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے ابتدائی سالوں میں کئی علمی و قلمی شخصیات شامل رہیں مگر الگ الگ مصروفیات کے باعث کئی حضرات اس ادارہ کو خیر باد کہہ گئے مگر سید ریاست علی قادری اور ان کے ساتھ مولانا شفیع محمد قادری اور حاجی عبد اللطیف قادری ہراول دستے کی مانند ساتھ ساتھ رہے اور علمی دنیا میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور شمس بریلوی صاحب ان کو ڈھارس دیتے رہے۔ راقم بھی ۱۹۸۲ء کے آخر میں ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے شامل ہو گیا جبکہ والد ماجد شیخ حمید اللہ قادری حشمتی مالی تعاون کے ساتھ ۱۹۸۲ء سے تادمِ آخر ۱۹۸۹ء تک شامل رہے۔

۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء ادارہ کے لیے سب سے مشکل سال تھے۔ راقم چشم دید گواہ ہے کہ سید ریاست علی قادری صاحب کو کتنی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اہلِ ثروت حضرات اگرچہ رضویت کا دم بھرتے تھکتے نہ تھے مگر جب ادارہ کے مالی تعاون کے لیے کہا جاتا تو ہزار بہانے اور

عذر پیش کر دیتے مگر ڈاکٹر صاحب اور شمس بریلوی صاحبان نے ہمیشہ ہمت بندھوائی جس کے باعث ادارہ سفر طے کرتا رہا۔ گو کہ ان تین سالوں کا سفر بہت سست تھا مگر اعلیٰ حضرت کے فیض نے ہمت نہ ٹوٹنے دی۔

۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۵ء تک ڈاکٹر صاحب کے مندرجہ ذیل مقالات معارف میں شائع ہوئے:

۱۔ امام احمد رضا کے ماہ و سال۔ معارفِ رضا شمارہ: ۳، ۱۹۸۳ء، ص: ۸۱، ۸۵

۲۔ پیش گفتار بر کتاب فوزِ مبین۔ معارفِ رضا شمارہ: ۳، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۶۴۔۱۷۲

۳۔ سرتاج الفقہاء۔ معارفِ رضا شمارہ: ۴، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۶۲۔۱۷۶

۴۔ امام احمد رضا اہلِ علم و دانش کی نظر میں۔ معارفِ رضا شمارہ: ۵، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۱۲۔۱۱۷

مقالات کے علاوہ دیگر کتب جو ادارہ نے شائع کیں:

۱۔ **امام احمد رضا اور عالمِ اسلام۔ ۱۹۸۳ء**۔ امام احمد رضا کی علمی حیثیت عرب علماء و مشائخ کی تصدیقات و تقریظات کی روشنی میں۔

۲۔ گناہِ بے گناہی۔ ۱۹۸۳ء۔ امام احمد رضا پر کئے گئے اعتراضات کا جواب۔ یہ کتاب اول مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کی تھی، اس کی افادیت کی خاطر ادارہ نے بھی اس کو شائع کیا۔

۳۔ اجالا۔ ۱۹۸۴ء۔ امام احمد رضا پر قلم برداشتہ سوانحی مقالہ۔

۴۔ نور اور نار۔ ۱۹۸۴ء۔ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کا مدلل رد، امام احمد رضا کی تعلیمات کی روشنی میں۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی جانب سے سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد ڈاکٹر صاحب کے مشورے سے ۱۹۸۲ء سے شروع ہوا جس میں اہلِ علم و دانش حضرات کو بالخصوص جامعات اور کالج کے اساتذہ کرام کو مقالات پڑھنے اور پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔

چنانچہ پہلی امام احمد رضا کانفرنس ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء میں تھیوسوفیکل ہال محمد علی جناح روڈ (سابقہ بندر روڈ) منعقد کی گئی جس کی صدارت ریٹائرڈ ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب نے کی جبکہ مہمان خصوصی ریٹائرڈ جسٹس جناب قدیر الدین احمد تھے۔ اس میں کراچی کے ممتاز اسکالرز اور دانشوروں نے شرکت کی جن میں سید الطاف بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی، پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری، پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر صاحب اسٹیج پر نہ بیٹھے اگر چہ وہ اس کانفرنس کا انعقاد کرنے کے بانیوں میں سے تھے مگر اپنی طبیعت کی سادگی اور عاجزی کے باعث انہوں نے دوسروں کو آگے کیا اور زندگی بھر وہ کبھی اسٹیج پر رونق افروز نہ ہوئے یہاں تک کی ان کی زندگی کی آخری کانفرنس جس میں انہوں نے اپنی طبیعت کی ناسازی کے باوجود شرکت کی، ۲۳ر فروری ۲۰۰۸ء میں سرسید انجینئرنگ یونیورسٹی، کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس میں بھی پہلی صف میں کچھ دیر کے لیے آکر بیٹھے اور چلے گئے۔

احقر اس آخری کانفرنس میں ان کی شرکت کی تھوڑی تفصیل بتانا پسند کرے گا جس سے ڈاکٹر صاحب کے اخلاقِ عالیہ اور ایفائے عہد کی عکاسی ہوگی۔ کانفرنس کا وقت ۵ بجے شام دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے وعدے اور عادت کے مطابق لگ بھگ پانچ بجے سرسید یونیورسٹی کے ہال میں پہنچ گئے۔ احقر نے آپ کی آمد پر استقبال کیا۔ اس وقت ہال میں صرف ۳ مہمان موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کمزوری کے باعث نقاہت ظاہر کر رہی تھی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب آدھ گھنٹہ بیٹھ کر چلے گئے اور فرمایا کہ قریب ایک محب کے گھر آرام کر رہا ہوں، جب پروگرام شروع ہو تو مجھے فون کر دیجئے گا۔ قارئین کرام یقین کریں کہ ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر ناراضگی کے آثار تک نہ تھے، ماتھے پر کوئی شکن نہ تھی، برہمی دور دور تک نہ تھی گو کہ ادارہ کے سرپرستِ اعلیٰ تھے لیکن قربان جایئے اس بُردباری اور حسن

سلوک کے، فرمایا مجید اللہ کیا کریں لوگوں کو دیر سے آنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ آپ مجھے فون کر دیجئے گا۔ میں کچھ دیر کے لیے دوبارہ حاضر ہو جاؤں گا۔ ساڑھے چھ بجے پروگرام شروع ہوا۔ احقر نے آپ کو فون کیا، آپ ۱۵ منٹ میں دوبارہ تشریف لے آئے بغیر کسی شکوہ شکایت کے۔ مغرب کی نماز کے بعد احقر کا امام احمد رضا کی سائنسی تحقیقات پر Presentation تھا جس کا دورانیہ ایک گھنٹہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب باوجود نقاہت کے احقر کے پریزنٹیشن کو دیکھتے رہے۔ جب وہ ختم ہوا تو مجھے اشارہ کیا کہ میں جانا چاہتا ہوں۔ احقر جب قریب گیا تو فرمایا، ڈاکٹر مجید اللہ! آپ نے آج طبیعت خوش کر دی، بہت اچھا مقالہ اور بہت اچھے انداز میں پیش کیا، خوب دعائیں دیں اور پھر ہال سے باہر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائے اور ہم سب کو آپ کے اخلاقِ عالیہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا دوسرا سفر ۱۹۸۶ء سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ۱۹۸۵ء کی کانفرنس کے بعد سید ریاست علی قادری تقریباً ہمت ہار چکے تھے کہ پھر ڈاکٹر صاحب اور شمس بریلوی صاحب کے ہمت دلانے کے باعث ایک دفعہ پھر کمر بستہ ہوئے۔ مگر اس دفعہ ڈاکٹر صاحب نے ادارہ کی مکمل مجلس قائم کرنے کا مشورہ دیا کہ ادارہ فرد سے نہیں، افراد سے چلتا ہے چنانچہ ۱۹۸۶ء میں اس ادارہ کی باقاعدہ مجلس قائم کی گئی، ادارہ رجسٹرڈ کرایا گیا اور ادارہ کے لیے ایک آفس خریدا گیا اور الحمد للہ یہ کام بہت تیزی سے ہوا اور بہت آسانی سے یہ مراحل طے ہو گئے۔ وہ پہلی مجلسِ عاملہ جو تشکیل پائی، مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی: مفتی تقدس علی خاں، حضرت شمس بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، الحاج شیخ حمید اللہ قادری (احقر کے والد)، حاجی حبیب احمد (یونین بسکٹ والے)، ادارہ کے سرپرست قرار پائے جبکہ سید ریاست علی قادری ادارہ کے بانی اور تاحیات صدر منتخب ہوئے۔ محترم منظور احمد جیلانی کو فنانس سیکریٹری اور جنرل سیکریٹری کے لیے احقر کو چنا گیا اور الحمد للہ آج بھی احقر اس خدمت پر مامور ہے جبکہ سید وجاہت رسول قادری اور الحاج شفیع محمد قادری صاحبان کو رکن کی حیثیت سے منتخب کیا اور اس طرح ادارہ نے ۱۹۸۶ء میں تازہ دم ٹیم کے ساتھ دوبارہ سفر کا آغاز کیا جو خدا کے فضل و کرم سے آج بھی جاری و ساری ہے۔ مجلسِ عاملہ کے قیام کے بعد اس کے سال میں دو سے تین اجلاس ہوتے تھے جو بعد میں دو اور پھر سال میں ایک اجلاس ہونے لگا۔ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے سرپرست کی حیثیت سے تمام ہی اجلاسوں میں شرکت فرمائی اور مجھے یاد ہے کہ کسی اجلاس میں ڈاکٹر صاحب متعین وقت سے کبھی دیر سے نہ پہنچے۔ اکثر اجلاس ادارہ کے آفس میں ہوتے تھے یا احقر کے گھر مگر ڈاکٹر صاحب ہمیشہ وقت سے پہنچے جبکہ بعض اراکین عموماً ڈاکٹر صاحب کی آمد کے بعد پہنچتے مگر ڈاکٹر صاحب نے کبھی شکوہ نہ کیا کہ آپ لوگ میرا وقت ضائع کرتے ہیں اور میرا خیال نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ میٹنگ کے دوران ہمیشہ اپنے پاس میٹنگ کے ایجنڈے کے مطابق کچھ نہ کچھ سفارشات لکھ کر لاتے جبکہ ہم تمام حضرات اس میٹنگ کے اندر زبانی اپنی اپنی رائے ایجنڈے کے مطابق پیش کرتے۔ یہ ان کی تربیت کا انداز تھا کہ جب ایجنڈا پہلے سے دے دیا گیا تو پھر اس پر سوچ بچار کر کے اور سفارشات لکھ کر لانا چاہئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی ہی سفارشات پر ادارہ آگے بڑھتا رہا اور خدا نے چاہا تو آگے بڑھتا رہے گا۔ ادارہ نے جس جہت میں بھی کام کیا ہے اس میں ڈاکٹر صاحب کا مشورہ اور رائے ضرور رہی چاہے وہ پی ایچ ڈی کرانے کا معاملہ ہو یا ادارہ کو عالمی سطح پر متعارف کروانے کا سلسلہ۔ ٹی وی پر اعلیٰ حضرت کی حیات پیش کی جانے کی سفارش ہو یا امام احمد رضا کے وصال کے موقع پر اخبارات میں امام احمد رضا ایڈیشن کا سلسلۂ اشاعت کے وقت کتب

کے تزئین ہو یا کسی کتاب کو بہتر انداز میں شائع کرنے کا سلسلہ، ہر ہر پہلو میں ڈاکٹر صاحب نے رہنمائی فرمائی۔ اس لیے ادارہ کی کل ترقی ڈاکٹر صاحب کے مشوروں کی مرہونِ منت ہے۔ ہر ادارہ میں جہاں کئی افراد ہوتے ہیں، اس میں رنجشیں بھی ہوتی ہیں جس کے باعث ادارے ٹوٹتے اور بنتے ہیں۔ ہمارا ادارہ بھی افراد پر مشتمل تھا۔ یہاں بھی کئی دفعہ اس قسم کی صورتحال پیش آئی مگر ڈاکٹر صاحب کی فہم و فراست نے ہمیشہ بہترین کردار ادا کیا اور ادارہ اور ادارہ والوں کو آپس میں بٹنے نہ دیا اور ہمیشہ سب کو جوڑ کر رکھا اور آپس کی رنجشوں کو دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرا دیا۔ اس لیے الحمد للہ تسلسل کے ساتھ ادارہ کی سالانہ کانفرنس، سالانہ معارف اور ماہنامہ معارفِ رضا کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے اگرچہ اس وقت ادارہ کے پاس افرادی قوت انتہائی قلیل ہے مگر فیضِ رضا اور نظرِ مسعودِ ملت جاری و ساری ہے۔

حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ کی رفاقت اور سرپرستی ادارہ کو ۲۸ سال حاصل رہی۔ ادارہ کی مجلسِ عاملہ میں نئے لوگ شامل ہوتے رہے اور نہ جانے کتنے حضرات اپنی مصروفیات کے باعث ادارہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ سب کے اپنے اپنے مزاج مگر میٹنگ کے دوران یا میٹنگ کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی کسی بھی ایک فرد کے ساتھ کبھی بھی ناراضگی نہ ہوئی۔ اگرچہ نئے حضرات ڈاکٹر صاحب سے مختلف معاملات میں تحفظات رکھتے تھے۔ قارئین کرام! یہ حقیقت ہے کہ ۲۸ سال میں احقر نے کبھی ڈاکٹر صاحب کو غصے مین نہ دیکھا اور نہ ہی کسی فرد کو ڈانٹتے ہوئے پایا۔ اس کے برعکس متعدد بار آپ نے غلطیوں کا اعتراف کرنے والوں کو اس طرح معاف کیا کہ جیسا ان سے وہ غلطی سرزد ہی نہ ہوئی۔ یقیناً اس کردار کے اعلیٰ حسنِ سلوک کے باعث ادارہ مسلسل اپنی ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔ خداوند کریم ڈاکٹر صاحب کے فیضِ نظر کو ادارہ پر ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات جو معارفِ رضا سالانہ اور معارفِ رضا ماہانہ میں شائع ہوئے، اس کی فہرست پیش کر رہا ہوں اور مقالات کے علاوہ جو ان کی کتب ادارہ نے شائع کیں اس کی فہرست بھی درج کر رہا ہوں تاکہ قاری کو حضرت کی خدمات جو ادارہ کے حوالے سے امام احمد رضا پر ہیں، ان کی آگاہی حاصل ہو سکے۔ خیال رہے کہ ادارہ کے علاوہ بھی ڈاکٹر صاحب کی امام احمد رضا پر متعدد کتب دوسرے پبلشرز نے شائع کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے تذکارِ مسعودِ ملت، منزل بہ منزل محترم عبد الستار طاہر کی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:

۱۔ امام احمد رضا اور علومِ جدیدہ۔ شمارہ ششم ۱۹۸۶ء۔ ص: ۵۷۔۸۲
۲۔ حیاتِ امام احمد رضا ایک نظر میں۔ شمارہ ہفتم ۱۹۸۷ء۔ ص: ۹۔۱۴
۳۔ امام احمد رضا کا ایک نادر فتویٰ۔ شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء۔ ص: ۹۸۔۱۰۶
۴۔ امام احمد رضا بریلوی اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی۔ شمارہ نہم ۱۹۸۹ء۔ ص: ۱۵۵۔۱۹۲
۵۔ امام احمد رضا غریبوں کے غم خوار۔ شمارہ دہم ۱۹۹۰ء۔ ص: ۴۹۔۵۷
۶۔ اہلِ دانش کے تاثرات۔ شمارہ: ۱۱۔ ۱۹۹۱ء۔ ص: ۲۹۶۔۳۰۴
۷۔ کنز الایمان کی ادبی جھلکیاں۔ شمارہ: ۱۲۔ ۱۹۹۲ء۔ ص: ۲۸۔۴۰
۸۔ علمی نوادرات۔ شمارہ: ۱۲۔ ۱۹۹۲ء۔ ص: ۲۳۵۔۲۳۶
۹۔ نغمۂ رضا لم یات نظیرک فی نظر کا ترجمہ و حواشی۔ شمارہ: ۱۴۔ ۱۹۹۴ء۔ ص: ۱۲۔۱۴
۱۰۔ محدث بریلوی کے اہم مشاغل اور نظریات۔ شمارہ: ۱۶۔ ۱۹۹۶ء۔ ص: ۶۱۔۷۰
۱۱۔ حضرت بریلوی کی شاعری اپنے آئینے میں۔ شمارہ: ۱۷۔ ۱۹۹۷ء۔ ص: ۱۰۹۔۱۱۲
۱۲۔ امام احمد رضا اور دنیائے عرب۔ شمارہ: ۲۰۔ ۲۰۰۰ء۔ ص: ۱۵۔۱۹
۱۳۔ امام احمد رضا اور دار العلوم منظر اسلام بریلی۔ شمارہ: ۲۱۔ ۲۰۰۱ء۔

ص:۶۸_۷۲

۱۴_ امام المحدثین احمد رضا خاں بریلوی۔ شمارہ: ۲۳_۳_۲۰۰۳ء۔ ص:۲۳_۳۱

۱۵_چشم و چراغ خاندانہ برکاتیہ۔شمارہ:۲۴_۴_۲۰۰۴ء_ص:۸۳_۹۱

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے جب ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کا اول شمارہ شائع کیا، حسنِ اتفاق سے وہ سال ہجری ۱۴۰۱ھ کا پہلا سال تھا اور جب سن عیسوی ۲۰۰۰ء شروع ہوا یعنی ۲۱ویں صدی عیسوی شروع ہوئی تو ادارہ نے معارفِ رضا کے ماہانہ جریدہ کا سلسلہ شروع کیا اور پہلا ماہانہ شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا اور الحمدللہ تسلسل کے ساتھ ماہانہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور کانفرنس کے موقع پر ہم سالنامہ بھی شائع کرتے ہیں۔ ادارہ نے معارفِ رضا سالنامہ میں بھی ۲۰۰۰ء سے ایک اضافہ یہ کیا کہ ۲۰۰۳ء سے انگریزی اور عربی میں علیحدہ علیحدہ سالنامہ شائع کرنا شروع کردیئے اور الحمدللہ اس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

اب ملاحظہ کیجئے اردو معارفِ رضا ماہنامہ میں شائع ہونے والے ڈاکٹر صاحب کے مقالات:

۱۔ فاضلِ بریلوی کا امتیازِ فکر۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔ شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء، ص:۱۵_۱۷

۲۔ وقت کی پکار۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔ شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء۔ ص:۱۲_۱۷

۳_تحریکِ پاکستان۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔ شمارہ اگست ۲۰۰۰ء۔ ص:۱۲_۱۵

۴_ تصور پاکستان۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔ شمارہ نومبر ۲۰۰۰ء۔ ص:۵_۱۲

۵_فاضلِ بریلوی کی تعلیمی نظریات۔ماہانہ معارفِ رضا۔شمارہ اپریل ۲۰۰۱ء_ص:۹_۱۰

۶_امام احمد رضا پر کام کی رفتار۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔شمارہ جون ۲۰۰۱ء، ص:۵_۹

۷_القادیانیہ پر ایک نظر۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔شمارہ دسمبر ۲۰۰۱ء۔ ص:۹_۱۲

۸_خطبۂ صدارت (امام احمد رضا کانفرنس، کوئٹہ)۔ ماہنامہ معارفِ رضا۔شمارہ مارچ ۲۰۰۲ء_ص:۹_۱۱

۹_مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خاں۔ماہنامہ معارفِ رضا۔اپریل ۲۰۰۲ء۔ ص:۵_۶

۱۰_علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی۔فروری ۲۰۰۴ء_ص:۱۹_۲۱

۱۱_آل انڈیا سنی کانفرنس۔اگست ۲۰۰۴ء_ص:۲۰_۲۲

۱۲_علامہ تحسین رضا خاں علیہ الرحمہ۔اگست ۲۰۰۷ء_ص:۴۹_۵۰

ادارہ نے موقع بہ موقع پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود علیہ الرحمۃ کی متعدد کتب انگریزی اور عربی میں شائع کی ہیں جن کی لسٹ قارئین کی معلومات کے لیے یہاں درج کی جارہی ہے۔ یہ تمام کتب ادارے سے دستیاب ہوسکتی ہیں:

۱_سوجھرو۔ (ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''اجالا'' کا سندھی ترجمہ)۔ ۱۹۸۶ء

۲_رہبر و رہنما (طلبہ کی معلومات کے لیے خاص کر لکھا گیا)_۱۹۸۶ء

۳_آئینۂ رضویات (ڈاکٹر صاحب کے امام احمد رضا پر لکھی گئی کتابوں پر تقدیم اور پیش لفظ)_جلد اول_۱۹۸۹ء

۴_Baseless Blame (''گناہِ بے گناہی'' کا ترجمہ)_۱۹۹۱ء

۵_Neglected Geniouse of the East (''عبقری شخصیت'' کا ترجمہ)_۱۹۹۱ء

۶_The Savior (''رہبر و رہنما'' کا ترجمہ)_۱۹۹۱ء

۷_آئینۂ رضویات_جلد دوم_۱۹۹۳ء

۸_محدث بریلوی_۱۹۹۳ء

۹_فقیہ العصر_عربی_۱۹۹۳ء

۱۰۔عشق ہی عشق۔امام احمد رضا کے والد کی کتاب تفسیر الم نشرح میں نبی کریم ﷺ کے لیے لکھے گئے القابات کی تشریح۔۱۹۹۳ء۔

۱۱۔ارمغانِ رضا (امام احمد رضا کا منتخب فارسی کلام)۔۱۹۹۴ء

۱۲۔The Reformer of Muslim World۔۱۹۹۵ء

۱۳۔دور الشیخ احمد رضا (عربی)۔۱۹۹۵ء

۱۴۔حیاتِ مولانا احمد رضا۔جدید ایڈیشن۔۱۹۹۹ء

۱۵۔The Light۔اجالا کا انگریزی ترجمہ۔۲۰۰۰ء

۱۶۔دار العلوم منظرِ اسلام۔۲۰۰۱ء

۱۷۔خلفائے محدثِ بریلوی۔۲۰۰۵ء

۱۸۔الشیخ احمد رضا بریلوی (عربی)۔۲۰۰۵ء

انگریزی زبان میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مندرجہ ذیل مقالات معارفِ رضا سالنامے میں شائع ہوئے:

1. Chronicle of Imam Ahmad Raza. Vol.9, 1989. P: 8-12

2. Imam Ahmad Raza a Scholar of high prefections. V.15, 1995. P:18-28

3. Rebuttal of Innovations (Radd-i-Bida), V.17, 1997. P: 15-21

4. The Light. V.26, 2006. P: 84-112

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کیا کہ فردِ واحد نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کو نہ صرف قائم کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور سرپرستی فرمائی بلکہ قلمی حیثیت میں بھی تمام اراکینِ ادارہ سے زیادہ تنہا خدمات پیش فرمائیں کہ جن کو مندرجہ ذیل طور پر سمیٹا جاسکتا ہے:

مقالات جو معارفِ رضا سالنامہ اور ماہنامہ میں شائع ہوئے ان کی تعداد ۱۹ اور ۱۲ ہے جبکہ انگریزی معارفِ رضا میں ۶ مقالات شائع ہوئے اس کے علاوہ جو کتب اردو، انگریزی، فارسی، عربی اور سندھی میں شائع ہوئیں، ان کی تعداد ۲۲ ہے۔اس طرح آپ نے ۲۸ سال مسلسل ادارہ کے علمی، قلمی کاموں میں حصہ لیا اور سرپرستی کا حق ادا کردیا۔ادارہ آپ کی یاد میں یہ خصوصی شمارہ شائع کررہا ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء و مشائخ، اسکالرز اور دانشور حضرات کے مقالات، تاثرات اور منظوم خراجِ عقیدت پیش کیے جارہے ہیں۔اس سے قبل بھی پچھلے شمارہ میں پروفیسر ڈاکٹر صاحب کے متعلق ہی خصوصی شمارہ جولائی ۲۰۰۸ء ماہرِ رضویات کے نمبر کے طور پر شائع کیا گیا جس میں تاثرات اور تعزیتی پیغامات تھے اور ان شاء اللہ اگست کے آخر میں ادارہ ڈاکٹر صاحب کے لیے ایک تعزیتی ریفرنس کا اہتمام بھی کررہا ہے۔ہم ایک دفعہ پھر ڈاکٹر صاحب کے تمام ہی تمام۔۔۔محبین، متوسلین، مریدین، سب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے وصال کے صدمے کو برداشت کرنے کے لیے صبرِ جمیل عطا فرمائے اور خصوصیت کے ساتھ دعا ہے کہ آپ کے جانشین صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد زید مجدہٗ کو اللہ تعالیٰ عمر کے ساتھ ساتھ استقامت عطا فرمائے، ڈاکٹر صاحب کے علمی و قلمی مشن کے ساتھ ساتھ ان کے اصلاحی مشن کو بھی جاری اور ساری رکھیں جو ان کا ملتِ اسلامیہ کے لیے اہم اور اصل مشن تھا۔اللہ تعالیٰ آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

ادارہ ان تمام حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے فون کے ذریعہ، فیکس کے ذریعہ، ای۔میل اور خطوط کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے سلسلے میں جو ہمارے سرپرستِ اعلیٰ تھے، ہم سے تعزیت کی اور کلماتِ خیر سے نوازا۔اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی قلمی خدمات کو بالخصوص جو آپ نے امام احمد رضا کے حوالے سے کی ہیں یا امام ربانی کے حوالہ سے اور جو ملت اسلامیہ کے اصلاح کے لیے قلمی کوششیں کی ہیں، سب کو قبول فرمائے اور ان کو اس کا بہترین اجرِ عظیم عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان بزرگوں کا خصوصی ساتھ عطا فرمائے۔آمین

# حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب۔سب سے پہلے ماہر رضویات

تحریر: ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد دہلوی*

احقر کے عم محترم حضرت پیر طریقت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۸ اپریل ۲۰۰۷ء کو وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا اور اس کے حبیب سرور کائنات ﷺ کی بے شمار رحمتیں تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی تقویٰ، طہارت اور اتباع سنت میں گزاری، اعمال صالحہ کی پابندی کی، ہزاروں کتابیں اور مقالات شائع کرا کے دین مبین کی خدمت فرمائی جو آج ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔ ان کے جانشین صاحبزادہ علامہ ابوالسرور محمد مسرور احمد صاحب مدظلہ نہایت خلیق، عابد و زاہد فاضل ہیں۔ بلاشبہ پروفیسر صاحب کی رحلت، جماعت اہل سنت کا عظیم نقصان ہے۔ وہ اہل سنت کے لئے ڈھارس تھے وہ سرمایۂ اہل سنت تھے، وہ نادر و انمول شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی وفات سے ہونے والے نقصان کی تلافی بہت مشکل ہے۔

اے اہل زمانہ قدر کرو ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
ڈھونڈھو گے ہمیں ملکوں ملکوں نایاب نہیں کم یاب ہیں ہم

اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ پروفیسر صاحب نے پاکیزہ اور بااصول زندگی گزاری۔ عاجزی و تواضع ان کا امتیازی وصف تھا انہوں نے اپنے علم کو کبھی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ مادی منفعت کی انہوں نے کبھی پرواہ ہی نہیں کی۔ علمی خدمات پر کبھی کسی سے معاوضہ نہیں لیا۔ انہوں نے اپنی کتابوں پر کبھی رائلٹی نہیں لی، ابتدائی دور سے ہی انہوں نے خدمت دین و ملت کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔ وہ چاہتے تو اپنی تصانیف سے بھرپور دنیاوی فوائد حاصل کرسکتے تھے لیکن ان کی بے نیازی اور تبلیغ مسلک اہل سنت کے لئے بے لوث جدوجہد آج علم و دانش کے لئے مشعل راہ ہے۔ وہ اسکالرز اور عقیدت مندوں کے پاس ڈاک سے کتابیں اور خطوط اپنے خرچ پر بھجواتے تھے اس طرح ڈاک کے مصارف پر آنے والا خرچہ بھی وہ بخوشی برداشت کرتے تھے یہ بھی ان کا امتیازی وصف تھا جو آج علماء کرام اور اہل علم و دانش کے ہاں نہیں ملتا۔

پروفیسر صاحب تقریباً ۱۹۴۹ء میں پاکستان ہجرت فرما گئے تھے یہ وہ وقت تھا کہ پاکستان کا سفر کرنا خطرات کو دعوت دینا تھا۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر مسافر اللہ عزوجل کے بھروسہ پر نکلتا تھا۔ متعدد ٹرینیں صاف کی جاچکی تھیں۔ آپ کے برادر گرامی مولوی منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل و قابل عالم، بہترین خطیب اور دیگر خوبیوں سے آراستہ تھے۔ اتفاق یہ تھا کہ پروفیسر صاحب میں اور ان میں برادرانہ رشتہ کے علاوہ دوستی بھی تھی اور ایک دوسرے کا مزاج بہت ملتا جلتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کا ایک واقعہ انہوں نے لکھا ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے وہ دہلی میں کس طرح ایک ساتھ رہتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران جب کہ حضرت (شاہ مفتی محمد مظہر اللہ) مسجد فتح پوری میں قیام پذیر تھے۔ مکان

---

* شاہی امام جامع مسجد فتح پوری دہلی، انڈیا

شریف سے اہل خانہ کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا تھا۔ گھر پر راقم اور برادر مرحوم مولانا منظور احمد موجود تھے۔ چونکہ مستورات نہ تھیں اس لئے خود کھانا وغیرہ پکاتے، کرفیو لگا ہوا تھا، رات کی تاریکی میں کھانا لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، چونکہ کرفیو کے دوران آمد و رفت خطرہ سے خالی نہ تھی اس لئے ایک روز حضرت نے فرمایا کہ ''میرے لئے کھانا نہ لایا کرو'' چنانچہ اس روز سے خود حضرت بجلی کے چولہے پر روٹی اور دال وغیرہ پکاتے، خود نوش فرماتے اور جو کچھ بچ رہتا وہ تبرکاً ان ملازمین کو مل جاتا جو آستانہ پر اس کرم نوازی کے منتظر رہتے۔''
(تذکرۂ مظہر مسعود ص ۲۵۳)

مولانا منظور احمد صاحب حیدرآباد سندھ تشریف لے آئے تھے اور بیمار ہو گئے تھے۔ ان حالات میں پروفیسر صاحب حضرت قبلہ مفتیٔ اعظم کی ہدایت پر پاکستان کے لئے نکلے۔ راستہ کی ناقابل برداشت اور دل دہلا دینے والی صعوبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کئی روز میں آپ برادر گرامی کے پاس حیدرآباد سندھ پہنچے۔ اس اثناء میں ان کا مرض شدت اختیار کر چکا تھا۔ کچھ روز بعد ان کی وفات ہو گئی۔ یہ صدمہ پروفیسر صاحب کے لئے عظیم صدمہ تھا۔ ایک تو جگری دوست اور عزیز بھائی کی جدائی اور دوسری طرف دہلی سے تمام رشتہ داروں اور والد ماجد کی جدائی۔ لیکن انہوں نے اپنے کمال صبر و استقامت کے ساتھ پاکستان میں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ کبھی کبھی وہ ہمیں اس وقت کے حالات بتاتے تھے تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، راستہ میں وہ کئی بار اعداء کے نشانے پر آئے لیکن حضرت قبلہ کی توجہات نے حفاظت کی۔ پروفیسر صاحب اس واقعہ کو لکھتے ہیں:

''۱۹۴۹ء/۱۳۶۹ھ میں دہلی سے حیدرآباد (مغربی پاکستان) آیا مقصود ہجرت نہ تھی، مگر مشیت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ یہ ایک تلخ داستان ہے جواب شیریں ہو گئی ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ چنانچہ راقم اپنی پھوپھی کے ہاں مقیم ہو گیا۔ جنہوں نے جذبۂ مادری کے ساتھ راقم کی کفالت کی ۱۹۴۹ء میں راقم کے برادر مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، جس نے عقل و خرد کو گم کر دیا۔ بہر کیف توفیق الٰہی شامل حال رہی۔ نئے تقاضوں کے تحت غم سے فرصت پانے کے بعد علوم جدیدہ کی طرف توجہ کی چنانچہ ۱۹۵۱ء/۱۳۷۱ھ میں میٹرک کیا۔ برادر محترم پروفیسر عبد الرشید نے میری رہنمائی فرمائی۔''

(تذکار مسعود ملت، ص:۶۴)

نہایت ناگفتہ بہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے پروفیسر صاحب نے وہ عروج حاصل کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ۱۹۸۷ء میں احقر پاکستان حاضر ہوا اس وقت آپ ٹھٹھہ میں گورنمنٹ ڈگری کالج کے پرنسپل تھے۔ آپ سے میں وہیں ملا اور پھر وہ کراچی تشریف لائے اور اکابر ملت سے ملاقاتیں کرائیں۔ یہ ناقابل فراموش حقیقت ہے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے بانی اور سرپرست جناب سید ریاست علی قادری صاحب خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات پروفیسر صاحب نے ہی کرائی تھی۔ ان حضرات سے انہیں جتنی محبت تھی قابل رشک ہے۔ محترم سید صاحب نے ادارہ کی داغ بیل کے وقت ہی سے پروفیسر مسعود احمد صاحب کی قلمی معاونت حاصل کر لی تھی۔ اور ہمیشہ ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے (تذکار مسعود ملت، ص:۸۹) آخر وقت تک وہ ادارے سے نہ صرف وابستہ رہے بلکہ اس کے سرپرست اور روح رواں کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وصال کے بعد بھی انہوں نے اس تعلق کو برقرار

رکھا۔ اپنے وصیت نامہ میں پروفیسر صاحب نے ادارے کے موجودہ صدر جناب سید وجاہت رسول قادری صاحب کا تذکرہ اس انداز میں فرمایا ہے:

''تدفین کے بعد دعا میں صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کو شریک کریں۔ پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب اور جناب عبد اللطیف قادری موجود رہیں''۔(وصیت محررہ ۲۵ شوال المکرّم ۱۴۲۷ھ)

اولیاء کرام اور مجدد دین وملت علامہ الشاہ احمد رضا خاں قادری صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تدفین کے بعد تبرکات میں سے کچھ قبر کے اندر رکھ دیئے جائیں مگر طاق بنا کر۔ تدفین کے بعد حصول برکت کے لئے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی، اعلیٰ حضرت بریلوی، حضرت فقیہ الہند مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہم الرحمۃ کی چادریں قبر پر ڈال کر ایک روز بعد اٹھالیں۔''(وصیت مذکورہ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تو پروفیسر صاحب کو بچپن سے ہی والہانہ عقیدت تھی۔ شاہی مسجد فتحپوری دہلی میں حضرت شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اکابر اہلسنّت کی بکثرت آمد و رفت تھی۔ عید میلاد النبی ﷺ کے اجلاس میں ہر سال بلا ناغہ حضرت صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت محدث اعظم کچھوچھوی علیہم الرحمہ تشریف لاتے تھے، یہاں کی مجالس میں ہمیشہ سے اعلیٰ حضرت کا ہی سلام پڑھا جاتا رہا ہے اور آج بھی الحمد للہ وہی معمول ہے۔ پروفیسر صاحب اپنی خدمات اور علمی کاوشوں کی وجہ سے آج ماہر رضویات کہلاتے ہیں۔ اہل سنت کا بچہ بچہ ان کا مرہون منت ہے۔ وہ سب سے پہلے ماہر رضویات ہیں جس کا سب کو اعتراف ہے۔ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج جامعہ ازہر میں بھی اعلیٰ حضرت کا شہرہ ہے اور وہاں کے اساتذہ آپ کے بارے میں تصانیف پیش کر رہے ہیں اور طلبہ ریسرچ کر رہے ہیں۔ عالم اسلام میں باوقار، مستند اور جدید انداز میں اعلیٰ حضرت کو سب سے پہلے متعارف کرانے کا امتیاز پروفیسر صاحب کو ہی حاصل ہے۔ مولانا عبد النعیم عزیزی لکھتے ہیں:

''مسعود ملت...... وہ مبارک و مسعود وجود ہے جس کے دنیائے رضویت میں ورود مسعود سے تازہ بہار آ گئی......اور جس کا وجود ملت اسلامیہ یعنی جماعت اہل سنت کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے، ایک روشنی ہے اس مبارک مسعود شخصیت نے، اس مسعود ملت نے دین وملت کے مجدد، قوم وملت کے عظیم محسن، زمانے کی روشنی، نسلوں اور شریعت کی فصلوں کو مہکانے والے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت اور ان کے دینی، تجدیدی، اصلاحی، علمی، ادبی، سماجی، سیاسی اور دیگر قومی وملی وتقدیسی کارناموں کا اجاگر کر کے ہند وسندھ سے لے کر تمام عالم اسلام اور یورپ و آسٹریلیا اور افریقہ وامریکہ کے کلیات و جامعات اور لائبریریوں میں اس طرح پہنچا دیا کہ اس سورج کی شعاعوں کا راستہ روکنے والے تمام مخالفین ومعاندین اور ابن عبد الوہاب کی پوری ذریت ماتم کناں ہے۔''

(آئینہ رضویات جلد دوم ۳۸)

''مسعود ملت نے امام احمد رضا کے مختلف علوم وفنون اور کارناموں پر تقریباً بیس تحقیقی کتابیں اور چالیس سے زائد مضامین و مقالات رقم فرمائے۔ اردو کے ساتھ انگریزی میں بھی لکھ کر امام احمد

رضا کی عبقریت، تبحر علمی، فقیہانہ ومحققانہ شان، تجدیدی واصلاحی آن بان، سیاسی اور مومنانہ بصیرت وعلمیت، ادبیت، قیادت سبھی کچھ آشکارا کردیا اور ثابت کردیا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

اور بتادیا کہ رضا کی گلی سونی کرنے والو! رضا کی گلی کبھی سونی نہیں ہوگی۔ رضا تو دھوم مچانے والا تھا، کل بھی رضا کی دھوم تھی، آج بھی رضا کی دھوم ہے اور سدا اس کی دھوم مچی رہے گی۔

مسعودِ ملت...... امام احمد رضا کے جمال وکمال کے جلووں کا نظارہ کرنے والا آئینہ ہے۔

مسعودِ ملت...... رضا کے عشق ومعرفت کے بربط کو مضراب قلم سے چھیڑ کر سرمدی نغمے سنوانے والے مطرب کا نام ہے۔

مسعودِ ملت...... رضا کے علم وقلم کے گلشن کی بہاروں سے ہمکنار کرنے والے پاسبان وباغبان کا نام ہے۔

مسعودِ ملت...... گل رضا کی نکہتوں سے دل ونظر کو عطر بیزی بخشنے والی بادِ نسیم کا نام ہے۔

مسعودِ ملت...... مہر رضا کی شعاعوں کو منعکس کر کے علم ومعرفت کی قوسِ قزح کا نظارہ کرانے والے PRISM کا نام ہے۔ یعنی،

مسعودِ ملت...... کہتے ہیں، عصر حاضر کے عظیم اسکالر، عظیم عارف، قلمکار ومحقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری کو۔" (آئینہ رضویات جلد دوم، ص: ۳۹، ۴۰)

اپنوں میں پروفیسر صاحب کو ستائش ملی تو اغیار چراغ پا نظر آئے۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

"جب امام احمد رضا کا اندرون ملک وبیرون ملک چرچا ہونے لگا اور محققین ودانشوروں کی تیرہ سالہ جدوجہد رنگ لائی۔ یہ بات احمد رضا کے مخالفین کو نہ بھائی وہ فکر میں پڑ گئے، کریں تو کیا کریں؟ ایک فاضل نے یہاں تک فرمایا کہ احمد رضا کو ہم دفن کر چکے تھے فلاں پروفیسر نے قبر سے نکالا ہے۔ اب دوبارہ دفن کرنے میں نصف صدی لگے گی۔" (آئینہ رضویات ج ۲)

ایک اور جگہ پروفیسر مسعود احمد صاحب رقمطراز ہیں:

"بہرحال راقم کے مقالے فاضل بریلوی اور ترک موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تارعنکبوت کی طرح بکھرنے لگے۔ ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو۔" دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ بھی ناراض ہوگئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کردی۔ راقم نے عرض کیا تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے۔ آپ میری بات غلط ثابت کردیں، میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا۔ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔ یہ تو تحقیق وریسرچ ہے جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی۔" (آئینہ رضویات جلد دوم، ص: ۵۰)

آج وہ جسمانی طور پر آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن روحانی طور پر ہمارے درمیان ہیں۔ انہوں نے جو علمی کام ہمارے سپرد کیا ہے ہمیں اسے کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

"راقم السطور نے ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا (۱۸۵۶ء/ ۱۹۲۱ء) کے حالات وافکار کی طرف توجہ کی اور امام احمد رضا کے سیاسی افکار پر پہلی کتاب "فاضل بریلوی اور ترک موالات" پیش کی جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور (پاکستان) نے شائع

کی، اس کے بعد اس کے پانچ ایڈیشن شائع ہوئے۔ امام احمد رضا کے حالات وافکار سے متعلق دوسری کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' پیش کی جو ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کی۔ اس کے بعد چار ایڈیشن لاہور سے شائع ہوئے اور چھٹا ایڈیشن المجمع الاسلامی، مبارکپور (بھارت) نے شائع کیا۔ ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے دانشوروں کی طرف سے پے در پے تقاضے آنے لگے کہ امام احمد رضا کی جدید انداز پر ایک مبسوط سوانح لکھی جائے۔ راقم السطور نے اس مہم کو سر کرنے کا وعدہ کرلیا اور مواد کی فراہمی شروع کردی۔ جس کو اب دس برس ہوتے ہیں۔ دس برس مسلسل جستجو کے بعد اب یہ انکشاف ہوا کہ جس کام کو اتنا آسان سمجھتا تھا وہ اتنا آسان نہیں تھا۔ بہرحال حیات امام احمد رضا کے لئے راقم السطور نے جب خاکہ مرتب کرنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہ حیات انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کرجائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور پندرہ مجلدات کا خاکہ مرتب ہوا جو اس وقت پیش کیا جارہا ہے مجوزہ ۱۵ مجلدات تو ایسی ہیں کہ اگر ان کو وسعت دی جائے تو ایک جلد کی کئی کئی جلدیں جلدیں بن جائیں مگر سردست اختصار واجمال کو پیش نظر رکھا ہے۔'' (تذکار مسعودِ ملت، ص:۸۷)

اس خاکہ کے مشمولات اس طرح سے ہیں:

| | |
|---|---|
| پہلی جلد | حالات |
| دوسری جلد | مذہبیات |
| تیسری جلد | فقہیات |
| چوتھی جلد | سیاسیات |
| پانچویں جلد | ادبیات |
| چھٹی جلد | فلسفہ وسائنس |
| ساتویں جلد | اولیات وایجادات وغیرہ |
| آٹھویں جلد | اولاد وخلفاء وتلامذہ |
| نویں جلد | مصنفات ومولفات وغیرہ |
| دسویں جلد | مکتوبات وخطبات وغیرہ |
| گیارہویں جلد | تاثرات |
| بارہویں جلد | حیثیات |
| تیرہویں جلد | تحقیقات واثرات |
| چودہویں جلد | شجرات وسندات وغیرہ |
| پندرہویں جلد | نوادرات |

(تذکار مسعودِ ملت، ص:۸۶)

طلبہ کو اساتذہ کام دیتے ہیں، ہوم ورک یا کلاس ورک، پروفیسر صاحب بعد میں آنے والے نوجوان فضلاء کو یہ کام دے گئے ہیں جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی سربراہی میں کیا جانا ہے۔ اگر یہ علمی کام پورا ہوجاتا ہے تو ان کی روح بھی خوش ہوگی اور ایسا علمی کام ہوجائے گا جو صدیوں تک یاد کیا جائے گا۔

ان سب تفصیلات اور حقائق سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ پروفیسر مسعود احمد صاحب سب سے پہلے ماہر رضویات ہیں جنہوں نے نہ صرف حضرت فاضل بریلوی کی عظمتوں کو دوبالا کیا بلکہ رضویات کی نئی جہتوں سے بھی عالم اسلام کو روشناس کرایا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ پر ایسا عظیم الشان علمی کام کیا کہ آج ''جہان امام ربانی'' کی چودہ ضخیم جلدوں پر مشتمل نقشبندی انسائیکلو پیڈیا ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ کام بڑا بنتا ہے اور کام

ہی یاد آتا ہے۔ بلاشبہ پروفیسر صاحب انسان تھے اور بہت عاجزی، تواضع، انکساری اور سادگی سے زندگی گزار گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی خدمات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور مقبول ہوں گی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی روحیں بھی ان سے خوش ہوگی۔ جس کی طرف سید ریاست علی قادری صاحب نے اشارہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ دنیائے رضویت پر آپ کی خدمات و احسانات کا بدلہ اگر پوری دنیائے رضویت بھی ادا کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔

اس کا صلہ آپ کو اعلیٰ حضرت کی فیض سامانی ہی کی صورت میں انشاء اللہ تعالیٰ ملے گا اور مل رہا ہے اعلیٰ حضرت کی روح مقدسہ آپ سے کس قدر خوش ہے، اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔ کاش اس خوشی کا کروڑواں حصہ مجھے بھی مل جائے تو میرے لئے بہت ہے۔'' (تذکار مسعود ملت، ص:۲۹۰) اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین۔

پروفیسر صاحب ہمارے سب کے بزرگ تھے۔ پاکستان اور ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام میں ان کے علم وفضل کی ستائش ہے ان کے اخلاق کی ستائش ہے۔ میں یکم مئی ۲۰۰۸ء کو کراچی میں ان کے سوئم میں شریک تھا وہاں ماشاء اللہ علماء کرام و مشائخ عظام کثیر تعداد میں شریک تھے۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کی طرح جم غفیر تھا۔ سب ہی آبدیدہ تھے، غمگین تھے۔ ہر اک اپنے محسن کی جدائی سے غمزدہ تھا۔ ہر اک کے منہ پر آپ کی تعریف تھی۔ سنا ہے کہ ۲۹ راپریل ۲۰۰۸ء کو ان کے جنازہ میں بھی بہت کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے اور اہل سنت واکابر میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو موجود نہ ہو۔ مقامی ٹیلی ویژن نے وہ روحانی پروگرام براہ راست دکھایا تھا۔ قائد اعظم کے مزار کے سامنے والے پارک میں نماز جنازہ ہوئی۔ دور دور تک کاروں کی قطاریں تھیں۔ راستے ٹریفک کے لئے بند تھے۔ یہ اس گوشہ نشیں اللہ کے ولی کا جنازہ ہے جس نے سب کے دل جیت رکھے ہیں۔ وہ نورانی منظر جنہوں نے دیکھا ہے ساری عمر بھلا نہیں پائیں گے۔ سچ ہے جس کا درجہ اللہ بڑھائے اسے کون گھٹا سکتا ہے؟

انہوں نے تقریباً پچپن سال تک لکھا اور اسی (۸۰) سال کی زندگی میں وصال فرمایا۔ ان کی تعریف کرنے والے جب تک زندہ ہیں تعریف ہی کرتے رہیں گے۔ لکھنے والے لکھتے رہیں گے لیکن آج ہمیں ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے اور اپنے اسلاف کے نام کو بلند کرنے کی ضرورت ہے اس سے ہم خود بلند ہوں گے۔ امام احمد رضا انسائیکلو پیڈیا کا پندرہ جلدوں پر مشتمل خاکہ وہ دے گئے ہیں۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے انہیں بہت محبت تھی اور اس ادارہ سے انہیں بہت امیدیں تھیں۔ مجھے بھی یقین ہے کہ ادارہ ان کے دیرینہ مشوروں پر عمل کرتے ہوئے ترقی کی منزلیں طے کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پروفیسر صاحب کی مفارقت پر ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم

آہ! قیصر، بجھ گیا کیسا چراغ انجمن
گلشن علم و عمل کا پاسباں جاتا رہا

# مسعودِ ملت ۔ دنیائے علم وادب کی انقلاب آفرین شخصیت


مولانا محمد عبدالمبین نعمانی ☆


سعادتِ لوح وقلم، محققِ رضویات، صاحبِ تصانیف کثیرہ عالی جناب پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی صاحبزادہ مفتیِ اعظم دہلی حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ مجددی سابق امام جامع مسجد فتح پوری، دہلی کا سانحۂ ارتحال پوری جماعتِ اہلِ سنت کے لیے ایک بڑا المیہ اور جہانِ علم و ادب کا زبردست نقصان ہے۔ اچانک آپ کی خبر وفات نے پورے عالمِ اہلِ سنت کو مغموم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ کی حیات و خدمات پر آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جنھیں رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکتا۔ اعلیٰ حضرت پر آپ کی بعض تصانیف اردو کے علاوہ عربی، انگریزی اور ہندی میں بھی طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ غالباً پشتو اور سندھی زبانوں میں بھی شائع ہوئی ہیں۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی پر کام کرنے کا جو شعور آپ نے بخشا ہے، اس خصوص میں پوری جماعت کی طرف سے آپ شکریہ کے مستحق ہیں۔

آپ نے اپنے والدِ گرامی مولانا مفتی مظہر اللہ مجددی قدس سرہٗ کے فتاویٰ، مواعظ، مکاتیب اور سوانحِ عمری کو بھی مرتب کر کے شائع کیا۔

آپ نے آخری دور میں سیرت رسول اور جمال و کمالِ رسول ﷺ پر بھی متعدد کتابیں بڑے اچھوتے انداز میں قلمبند فرمائی ہیں۔ مثلاً جانِ جاناں، جانِ ایمان وغیرہ پھر امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ کے حیات وآثار پر بھی بڑا منظم کام کیا اور کرایا ہے۔ پہلے تو خود ایک مختصر سوانح ''مجدد الف ثانی'' کے نام سے لکھی اور شائع کرائی۔ پھر ایک متوسط سوانحِ حیات قلم بند کی اور پھر پندرہ جلدوں میں ''جہانِ امام ربانی'' کے نام سے وہ انمٹ کارنامہ انجام دیا ہے جو مجدد الف ثانی کی تاریخ میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کے مرتبین اگرچہ دوسرے حضرات ہیں لیکن رہنمائی اور سرپرستی نیز مواد کی فراہمی کا سہرہ آپ ہی کے سر ہے۔

بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور متعلقین کی خوب تربیت فرمائی۔ کتنوں کو قلم پکڑنا سکھایا اور کتنے لکھنے والوں کی مناسب رہنمائی کی۔ مصنفین ومحققین کی امداد اور ان کو مواد فراہم کرنا یا کرانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

''دائرۂ معارفِ امام احمد رضا'' کے نام سے آپ نے پندرہ جلدوں میں حیاتِ امام احمد رضا کا جو خاکہ بنایا ہے، وہ بجائے خود ایک کتاب کا درجہ رکھتا ہے جس کی روشنی میں آئندہ کوئی بھی محقق بہ آسانی حضرت امام احمد رضا پر لکھتا اور آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

باوجودیکہ آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے نہ رشتۂ تلمذ رکھتے تھے نہ علاقۂ ارادت لیکن ایک مجددِ وقت کی تعلیمات وخدمات سے متاثر ہونا اور بے تکان لکھتے چلے جانا آپ کا وہ کمال اور اخلاص ہے جس کی مثال کم ملتی ہے۔


☆ المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارکپور، اعظم گڑھ، یو پی، انڈیا

آپ اپنے اندر ایک دردمند دل رکھتے تھے۔ ہر صاحب کمال کے کمالات کا اعتراف کرنا آپ کا شیوہ تھا اور ہر کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی اور علمی رہنمائی آپ کی سرشت تھی۔

ہندوستان میں سب سے پہلے آپ کی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ المجمع الاسلام، مبارک پور نے شروع کیا جو تاہنوز جاری ہے۔ فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، امامِ اہلِ سنت، اجالا، گناہِ بے گناہی، نور و نار، سب سے پہلے المجمع الاسلامی ہی نے شائع کی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ آپ کی کتابیں رضوی کتاب گھر دہلی نے شائع کی۔ اب ضرورت ہے کہ ہندوستان میں کوئی ادارہ خاص طور سے حضرت پروفیسر صاحب کی کتابیں شائع کرے اور ملک بھر میں عام کرنے کی کوشش کرے۔ میں خاندانِ مظہری کے افراد سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ حضرات بھی اس ضمن میں خصوصی توجہ کریں اور پیغامِ مسعود کو گھر گھر پہنچائیں۔

آپ نے شخصیات وتنقیدات سے ہٹ کر خالص اصلاحی پہلوؤں پر بھی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً موجِ خیال، عورت اور پردہ، زندگی بے بندگی شرمندگی، محبت کی نشانی وغیرہ۔ روحِ اسلام کے نام سے تصوف کے عنوان پر بھی قلم اٹھایا ہے اور اختصار کے باوجود بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اس کتاب کو بھی عام ہونا چاہئے۔

آپ کی ایک اور اہم اور تاریخی کتاب ہے ''آخری پیغام'' جو قرآن کی تدوین وتاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور بڑی نادر معلومات پر مشتمل ہے، قرآن کے تعلق سے یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ حیرت ہے کہ اس سے کم لوگ ہی واقف ہیں۔

حضرت پروفیسر صاحب کو الجامعۃ الاشرفیہ اور المجمع الاسلامی مبارک پور سے خاص شغف تھا۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمات اور اس کے فارغین کو خوب سراہتے تھے۔ جب بھی ملاقات ہوئی، مبارکپور جانے اور جامعہ دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن ویزے کی رکاوٹ نے اس کا موقع نہ دیا۔

راقم الحروف نے دوبار بریلی شریف میں اور تین سال قبل رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی میں ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ، مبارکپور کی شخصیت سے بطورِ خاص متاثر تھے۔ آپ سے علمی استفادہ بھی فرماتے۔ حضرت مصباحی صاحب بھی آپ سے بڑا تعلق خاطر رکھتے تھے۔ ابھی دو سال قبل آپ نے خاص ملاقات کے لیے دہلی کا سفر فرمایا تھا۔ یہ آپ کی پروفیسر صاحب سے آخری ملاقات تھی۔

حضرت پروفیسر صاحب کی شخصیت جتنی عظیم تھی، آپ کے اندر اسی درجہ کا انکسار بھی تھا، اہلِ علم سے لوٹ کر ملتے، ان کی قدر کرتے، کسرِ نفسی آپ کی خوتھی۔ آپ ایک زاہد مرتاض، صوفی باصفا اور مرشد برحق بھی تھے۔ حلقہ بگوشوں کی تربیت پر خاص توجہ فرماتے اور نفس کشی کا درس دیتے، فی الجملہ آپ کی ذات ایک انجمن تھی۔ آپ کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا احساس ہر ایک کو مدتوں ستاتا رہے گا۔

غرض کہ حضرت پروفیسر صاحب مرحوم علم وادب کی دنیا میں ایک انقلاب آفریں ذات کی حیثیت سے مسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جزائے خیر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

﴿بشکریہ ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی۔ جولائی ۲۰۰۸ء﴾

# ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا اسلوبِ تحریر و تحقیق

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی *

تحقیق اپنے لغوی مفہوم کے حوالے سے اس چھان بین کو کہتے ہیں جس سے کھرے کو کھوٹے سے، مغز کو چھلکے سے اور حق کو باطل سے الگ کیا جاتا ہے، اصطلاح میں تحقیق وہ علمی و سائنسی طریق کار ہے جو کسی تعلق کی صداقت، تصدیق یا تردید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔ یہ دراصل نئے حقائق کی تلاش اور معلوم حقائق کی توسیع ہے۔ یہ ایسا اندازِ فکر بھی ہے جو محقق کو حق کی طلب، سچائی کی تلاش اور کھوج لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ تحقیق دریافت ہے تخلیق نہیں، حقائق کی تلاش ہے، حقائق کی افزائش نہیں۔ ایک محقق جب تحقیق کے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اُسے سفر کی ابتداء ہی میں درج ذیل امور کو تسلیم کرنا ہے، یعنی اسے ماننا ہوگا کہ

...... حق موجود ہے، اگر چہ معلوم نہ ہو

...... حق ایک وحدت ہے اگر چہ فریب نظری کی کثرت میں گم ہو

...... حق دریافت کیا جاسکتا ہے اگر چہ بظاہر ناممکن الحصول محسوس ہو

...... حق کی طلب لازم ہے اگر چہ کسی سطح پر ہو

... حق کی تلاش مقصودِ زندگی ہے، یہ کوئی لحاتی تحریک یا وقتی تقاضا نہیں

... اور یہ کہ محقق کو اپنی ذات پر اعتماد ہو کہ وہ حق دریافت کر سکتا ہے۔

انسان اس تحقیقی عمل کے ہر رُخ کو اپنی بساط اور ہمت کے مطابق اپنا مقصود بناتا ہے۔ انسانی زندگی دو پہلوؤں کو محیط ہے، انسان کا باطن جس کی تطہیر اور تہذیب، ادیانِ عالم کا نمایاں مقصود رہا ہے اور انسان کا خارج جو حواس کی کارفرمائی سے عبارت ہے، زندگی کا داخلی اور خارجی ہر رُخ تلاشِ حقیقت کا مکلف ہے، داخل کی دنیا کا کمال یہ ہے کہ عرفانِ نفس کا حق ادا ہو اور یہ عرفان "حقیقتِ تامہ" کی معرفت پر منتج ہو جائے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ع

"خودی کی آنکھ سے خدا کو دیکھو"

خارج کا حسن یہ ہے کہ 'حقائقِ اشیاء' کی معرفت حاصل ہو تا کہ ان مظاہر کے تخلیقی تقاضوں کے مطابق ان سے کام لیا جاسکے۔ داخل ہو یا خارج، تحقیق کا عمل حوصلہ، ہمت اور صلاحیت چاہتا ہے۔ صوفیاء کے مجاہدے، خارج کے تحقیقی عمل سے کئی گنا زیادہ محنت طلب ہیں کہ ان کے ہاں دریافت کا حسن ہی نہیں، مشاہدے کا جمال بھی ہے۔

تحقیق کا میدانِ عمل مسلسل جستجو، پیہم تجسس اور بلا انقطاع لگن چاہتا ہے اور جس وجودِ مسعود کو یہ جستجو، یہ تجسس اور یہ لگن حاصل ہو جائے تو اس کا حرف حرف چمکتا ہوا ستارہ بن جاتا ہے، پھر نہ پسند راہ کاٹتی ہے اور نہ ناپسند بے راہ رد کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی تحقیقی کاوش اس استقامت کی روشن دلیل ہے، لفظ لفظ پر متانت کا پہرہ بھی ہے اور روشنی کا حصار بھی۔ راہ دشوار تھی، سفر تھکا دینے والا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تعصبات کے اندھیرے بڑے گہرے تھے۔ ان دبیز پردوں سے نورِ یقین کا گزر دشوار ہو گیا تھا مگر جگنو کی طرح تاریکیوں سے بے نیاز روشنی بکھیرنے کا عمل سفرِ حیات کا دائمی رفیق بنا رہا۔ نہ عقیدت نے دامن پکڑا نہ مخاصمت کے گرداب نے بے نور کیا۔ یہ استقامت جو عمر بھر کی رفیق رہی، کیسے

* صدر، مرکزِ تحقیق، فیصل آباد۔

مقدر بنی؟ اس کے لیے ان عوامل کا ذکر ضروری ہے جو تعمیرِ ذات کے نگراں رہے۔ خاندان نے شعورِ علم بھی دیا اور والدِ گرامی کے رویوں نے حوصلہ بھی عطا کیا۔ کہتے ہیں بچپنے کا عشق سدا بہار ہوتا ہے اور استقامت 'یک در گیر و محکم گیر' ہی کی خیرات ہوتی ہے۔ پھر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کے فیضِ علم اور فیضانِ معرفت نے خارا شگافی کا حوصلہ بھی دے دیا۔ خوش قسمتی اور راہ یابی کی برکات دیکھئے کہ رشتہ بھی اس سے جڑ گیا جو ایک عالم ہی نہ تھا، صوفی ہی نہ تھا، فقیہ و محقق ہی نہ تھا، عبقری وجود تھا کہ جس سمت بھی نکلا، سکہ بٹھا گیا۔ یہ وہ درخشاں حوالے تھے جنہوں نے ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کے قلم کو تحریر کی شگفتگی اور اسلوب کی صلاحیت عطا کردی۔ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے مسلک سر وارید کا یہ درخشندہ گہر، فاضلِ بریلی علیہ الرحمۃ کے نظرِ کرم سے اس قدر تابدار ہوا کہ ہر جانب روشنی دمکنے لگی۔

ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے بہت لکھا، انداز بدل بدل کر لکھا۔ کبھی محبت کا وفور حرفوں میں ڈھلا تو کبھی عقیدت کی آبشار لفظوں کو زندگی عطا کرگئی۔ محبت و عقیدت کا بے پناہ میلان آدابِ آشنا کم ہی ہوتا ہے کہ اسے حدود شکنی میں لذت ملتی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ مسعودِ ملت کے ضبطِ باطن پر کہ نہ کہیں ضابطے ٹوٹے اور نہ کہیں خروشِ خیال نے حقائق پامال کئے۔ بڑے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کی تحقیق نگاری ہر لحہ عقیدت کے سایوں میں رہی ہے مگر بے راہ رو کبھی نہ ہوئی۔ تحقیق محبت میں لپٹی ہوئی ہے اس لیے تمام فنی لوازمات کے باوجود بے کیف کبھی نہ ہوئی۔ یہ مراحل بہت مشکل تھے، پُر خطر بھی تھے مگر ایک مردِ جری 'ربِّ سلّم' کے ایسے حصار میں رہا کہ ہر کوئی پکار اٹھا "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"۔

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ نے تحقیق کے تیز دھار مراحل کو کیسے عبور کیا، اس کا اندازہ آپ کی اپنی تحریر سے ہی ہوجاتا ہے جو آپ نے محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے "عبقری الشرق" میں درج کی ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے کہ

☆ "کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام سے منسوب ہونا ثبوتِ قطعی کو مستلزم نہیں۔" اور

☆ "کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں۔"

مزید دیکھئے، فرماتے ہیں:

☆ کتاب کا چھپ جانا، اُسے متواتر نہیں کردیتا کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری سے ملا۔"

☆ "متعدد بلکہ کثیر و وافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوتِ تواتر کو بس نہیں جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے اصل مصنف سے نقل کئے گئے ہیں یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ بعض نسخے محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہو اور یہ ان کی نقل، نقل در نقل ہو کر کثیر ہوگئے۔" [۱]

ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کے ہاں تحقیق کا وہ معیار بھی تھا جو آپ نے فاضلِ بریلی علیہ الرحمۃ سے اخذ کیا تھا اور آپ کے پیشِ نظر وہ اندازِ تحقیق بھی تھا جو یونیورسٹی اساتذہ کے ہاں رائج و متداول تھا اسی لیے آپ کی تحریر ایک پختگی اور اعتماد کی خبر دیتی ہے، 'عبقری الشرق' ایک مختصر رسالہ ہے مگر اس میں حوالہ جات کی تعداد ۱۵۸ ہے جو واضح کررہی ہے کہ کوئی عبارت، کوئی دعویٰ یا کوئی انتساب بھی غیر محقق نہیں ہے۔ مزید یہ کہ حوالے سب کے سب اصلی مآخذ سے ہیں، ثانوی مآخذ پر بھروسہ آپ کی تحقیق آشنا طبیعت کو گوارا نہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی تحریروں میں بار بار توجہ دلائی ہے کہ آپ کا معیارِ تحقیق کیا ہے؟ یہ کہ عملی طور پر آپ نے کیا روش اپنائی ہے اور مخالفت و عناد کی فضا میں بھی کس طرح اپنا دامن بچایا ہے۔ آیئے چند اقتباسات پر نظر ڈالیں:

تحقیق کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کے نظریات:

...... ''عقیدت کی بنا پر جسے چاہیے بڑا کہہ دیجیے اور جس کے ساتھ چاہیے مبالغہ آمیز، جھوٹی سچی باتیں منسوب کر دیجیے مگر تاریخ و تحقیق میں عقیدت کا گزر نہیں۔ یہاں سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا، یہاں دیکھا جاتا ہے، یہاں پرکھا جاتا ہے۔'' [۲]

اپنے اندازِ نگارش کے حوالے سے لکھا:

...... ''الحمدللہ گزشتہ تیرہ برس سے اب تک جو لکھا گیا، دلیل و برہان کے ساتھ لکھا گیا۔ بے دلیل کوئی بات نہیں لکھی گئی۔۔۔ اسی مقالہ میں قلم برداشتہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہی ہے جو گزشتہ تیرہ برسوں میں مطالعہ کیا گیا۔ تحقیق کیا گیا، پرکھا گیا، جانچا گیا۔۔۔ کوئی ایسی بات نہیں جس کی دلیل و حجت نہ ہو، پھر بھی آخر میں ان کتابوں کی فہرست دے دی گئی ہے جن کے مطالعہ سے حقائق معلوم ہو سکتے ہیں۔'' [۳]

ایک الزام کے جواب میں لکھا:

...... ''راقم بے بنیاد الزامات کے تعاقب میں نہیں پڑتا اور تعمیری و تخلیقی اور مثبت کام کو فوقیت دیتا ہے۔ کیونکہ بالعموم دیکھا یہ گیا ہے کہ قبولِ حق کے بجائے مخالف نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدان میں آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہمیشہ منفی ہوتی ہے، مثبت نہیں۔'' مزید وضاحت کی گئی:

...... ''راقم الحروف تاریخی حقائق اور عقائد دونوں کو الگ الگ خانے میں رکھنے کا قائل ہے۔'' [۴]

• تحریر کا ایک دل پر دستک دینے والا انداز، مگر اصولوں کی پاسداری کے ساتھ۔

...... ''چور کو چراتے کسی نے نہ دیکھا، فریادی کو غل مچاتے سب نے سُنا۔ قاتل کو قتل کرتے کسی نے نہ دیکھا، رقصِ بسمل کا تماشا سب نے دیکھا۔ ظالم کو ظلم کرتے کسی نے نہ دیکھا، مظلوم کو چلاتے سب نے سُنا۔ اس نے کیوں غل مچایا، یہ کیوں تڑپا، وہ کیوں چلایا، کوئی پوچھو مگر کوئی نہیں پوچھتا۔ جس کو دیکھو فریادی کو ملامت کر رہا ہے، مقتول کو کوس رہا ہے، مظلوم کو جھڑک رہا ہے۔۔۔ خدایا! یہ کونسی بستی ہے جہاں کی ہر ادا نرالی ہے۔ جہاں نہ عقل کی بات سنی جاتی ہے نہ دل کی بات۔ جہاں آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر تحقیق کی جاتی ہے، جہاں دکھایا نہیں جاتا، جو کچھ نظر آتا ہے اُس کو بھی جھٹلایا جاتا ہے۔'' [۵]

ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے نظریاتِ تحقیق پر اپنے یقین و اعتماد کا ہی ذکر نہیں کیا، آپ نے عملاً ان نظریات اور ان اصولوں کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا، تحقیق کا یہ رویہ آپ کی ہر کتاب، ہر رسالے اور ہر مضمون سے نمایاں ہے۔ اس سلسلے میں

...... دائرۂ معارفِ رضا کے لیے پندرہ جلدوں کا خاکہ بہترین ثبوت ہے کہ کس طرح ڈاکٹر صاحب کا مرتب ذہن راہنمائی کر رہا ہے اور معیارِ تحقیق کی کس قدر پاسداری کی جارہی ہے۔

...... معارفِ رضا ۱۴۰۳ھ ''عالمی جامعات اور امام احمد رضا'' کا مضمون ڈاکٹر صاحب کے اندازِ نگارش اور طرزِ تحقیق کا عمدہ نمونہ ہے۔ اگرچہ یہ ایک جائزہ رپورٹ ہے مگر اس کی ترتیب، تدوین اور تحقیقی اسلوب نے اس کو ڈاکٹر صاحب کے مزاج کا عکاس بنا دیا ہے۔

...... ''امام احمد رضا کانفرنس'' مجلّہ ۱۹۹۶ء میں راقم الحروف نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں لکھا تھا: ''آپ کی تحقیقی مساعی نے بہت سے غبار دور کر دیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے کتب و رسائل نے وہ کام کیا ہے جو واعظین کی پوری جماعت بھی نہ کر سکتی تھی۔ کالج کے طلبہ کے ہاتھوں میں آپ کی کتب اکثر دیکھی جاتی ہیں، خوشی ہوتی کہ آخر کوئی تو اس علمی قرض کو چکا رہا ہے۔''

### اسلام کا مزاج:

علمِ تحقیق کو جدید نظریات کے حوالوں سے ترتیب دینے والوں کو یہ بے جا اعتماد حاصل ہو گیا ہے کہ اس میدان میں اُن کی کاوشیں ہی سرمایۂ تحقیق ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مکتبِ تحقیق سے فیض

پانے والے کبھی بھی اس خود پسندی کے دعووں سے مرعوب نہیں ہوئے اس لیے کہ اُن کے ہاں اپنا مربوط سلسلۂ تحقیق ہے جو صدیوں سے اپنی عظمت منوا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کا رویہ بھی اس حوالے سے بڑا مستند اور پُر اعتماد ہے۔ فرماتے ہیں:

...... ''اسلام کا مزاج دورِ جدید کے مزاج سے قطعاً منفرد ہے۔ دورِ جدید میں حمایت و تائید کے لیے حق سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جس کی حمایت و تائید کی جا رہی ہے، وہ اپنا یا اپنوں کا اپنا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حمایت و تائید کی جائے گی ورنہ مخالفت یا خاموشی۔ ہزار دعوئے عدل و مساوات کے باوجود شاذ و نادر ہی کوئی ایسا نظر آتا ہے جو صرف حق کے لیے حق کی حمایت کرے اور ابطالِ باطل کے لیے باطل کی مخالفت۔ اس کے سامنے دوسری کوئی مصلحت نہ ہو۔ اس کے لیے بڑا دل گردہ چاہئے۔ ایسے حق پرست کو اپنے اور بیگانے سب کے تیر کھانے پڑتے ہیں۔'' [۷]

اس حوالے سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا ذکر کس دردمندی سے کرتے ہیں۔ پڑھئے تو!

...... ''حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے جو کچھ پایا، قرآن کریم اور فضلِ الٰہی سے پایا۔ وہ قرآنی یقینیات و بدیہیات کو سائنسی ظنیات پر فوقیت دیتے تھے کیونکہ سائنسی نظریات ترقی پذیر ہیں، وہ مکمل نہیں اور قرآنی نظریات مکمل ہیں۔ نامکمل کو مکمل کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے، مکمل کو نامکمل کی روشنی میں نہیں۔'' [۸]

اس اقتباس سے ڈاکٹر صاحب کی ذہنی ساخت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عاشقِ رسول کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے جس دردمندی کے تیکھے انداز سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا ذکر کیا ہے، وہ بھی دیدنی ہے۔ طویل دفاع کے بعد رقمطراز ہیں:

...... ''وہ اپنے محبوب کے بدخواہوں کی طرف جھپٹتا ہے، لیکن نہیں نہیں وہ بدخواہی کی طرف جھپٹتا ہے۔ اس کو انسانوں سے بیر نہیں، وہ محبت کا اسیر ہے، وہ مصطفیٰ کا بندہ ہے جس کی شان یہ تھی کہ ادھر تلواروں کی جھنکار سے میدانِ وفا گونج رہا ہے۔ ادھر وہ اشکبار آنکھوں سے اپنے دشمنوں کے لیے دعا مانگ رہا تھا۔'' [۹]

## تحقیق نگاری میں ترجمہ کا مقام اور حیثیت:

ہر محقق تحقیقی عمل میں روایات و استشہادات سے مدد لیتا ہے، ماخذ کی اصلی اور اساسی حیثیت تو اپنے اقتباسات کو حاصل ہوتی ہے جو مصنف یا مؤلف کے کلمات پر مشتمل ہوں مگر قاری تقسیم کے اس مقام تک نہیں پہنچتا اس لیے تراجم کا سہارا لیا جاتا ہے۔ یہ ایک ضرورت ہے مگر بسا اوقات اس کے ذریعے ارسالِ خیال کا جوہر دھندلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو ترجمے کی اس کوتاہی کا احساس ہے اسی لیے آپ نے زیادہ تر اعتماد اصل عبارت پر کیا ہے مگر جہاں احتیاج ناگزیر ہوئی، ترجمے کا سہارا بھی لیا ہے۔ ترجمہ کے حوالہ سے آپ کا معیار کس طرح کا ہے آیئے آپ سے دریافت کرتے ہیں، کہتے ہیں:

...... ''کسی کتاب کا ترجمہ اتنا آسان نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینے سے دل نکال کر، دل دوسرے سینے میں رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں ہر ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو۔'' [۱۰]

## زبان و ادب:

تحقیق کا حاصل زبان کے عمومی ضابطوں کے مطابق محفوظ رہتا ہے۔ یہ وہ ظرف ہے جس میں تحقیقی جواہر پارے ودیعت کیے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر محقق کو زبان کی درستی و سلامتی کا خیال رکھنا چاہئے اور یہ ایک لباسِ حرف کو اس قدر دیدہ زیب ہونا چاہئے کہ تحقیق، ادب پارہ بھی بن جائے، ڈاکٹر صاحب کا اس حوالے سے ذہن بڑا واضح ہے۔ فرماتے ہیں:

...... ''زبان و ادب کو بہت ہلکا سمجھا جاتا ہے مگر سب سے مشکل یہی

ہے، اس کا تعلق دل سے ہے، اس کا تعلق ذوقِ سلیم سے ہے، ادب کے لیے بڑے ریاض کی ضرورت ہے، دل گداختہ اور جگر سوختہ کی ضرورت ہے۔ یہ دل سے پھوٹتا ہے، دماغ سے اُبلتا ہے، ہر زبان دان اور عالم و فاضل ادیب نہیں ہوتا، ادیب اور ہی چیز ہے۔'' [۱۱]

### تاریخ نگاری کے حوالے سے نقطۂ نظر:

عموماً مؤرخ کو ایسا حاطب اللیل سمجھا گیا جو واقعات کے سنگریزوں کو بلا امتیاز سمیٹتا جاتا ہے جس کے لیے ہر واقعہ اور ہر حکایت لائقِ اختر ہوتی ہے جبکہ یہ تاریخ نگاری نہیں داستان سرائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب جب مؤرخ کے اس مقام کو نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ آپ نے واقعات شماری میں مستند مؤرخ ہونے کا ثبوت بھی دیا ہے۔ آپ کا معیار کیا تھا؟ ملاحظہ کیجئے:

...... ''مؤرخ کی نظر شش جہات میں ہونی چاہئے۔۔۔ وہ ساحل پر پڑے ہوئے گھونگوں سے سروکار نہیں رکھتا۔۔۔ قصرِ دریا میں غوطہ زن ہو کر گوہر ہائے آبدار نکالتا ہے۔۔۔ مگر بعض مؤرخوں نے گھونگوں کو موتی سمجھ کر تاریخ کو سجایا۔۔۔ حقائق سے منہ موڑا۔۔۔ اب حقائق و شواہد خود بخود نکلتے چلے آئے ہیں۔'' [۱۲]

### اندازِ نگارش کی شگفتگی:

ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ بنیادی طور پر ایک محقق تھے۔ آپ نے تحقیقی جولاں گاہ کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حالات، کوائف، تصنیفات و تالیفات اور تبلیغی و دینی کارناموں کا انتخاب کر لیا تھا۔ یہ اندازِ فکر و نظر آپ کی جملہ نگارشات کا خصوصی حوالہ رہا۔ اسی لیے آپ ماہرِ رضویات کہلائے، مجددی سلسلۂ تصوف سے نسبت بھی آپ کے علمی و عملی کارناموں کا ایک حوالہ رہا۔ آخری عمر میں جہانِ امام ربانی علیہ الرحمۃ کی پندرہ جلدیں اسی نسبت کو ایک خراج تھے جو آپ نے بڑی عرق ریزی سے ترتیب دیں، اسی نسبت کو ایک خراجِ تحسین ہے، اگرچہ یہ سلسلہ تحریر ایک مجموعہ کی صورت میں تھا کہ کام کا آغاز اسی طرح کیا جاتا تاکہ بعد کے اہلِ نقد اس کو تحقیقی جہاں میں ڈھالنے کی سعی کر سکیں، یہ دراصل مجددی سلسلے کی تاریخ طبری ہے جو باصلاحیت اہلِ فکر و نظر کو دعوتِ تحقیق دے رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا اندازِ بیان، تاریخی حقائق اور فنی ضوابط کے باوجود شگفتہ رہا۔ اس لیے ہی آپ کی تحریروں میں تنقیدی مجموعوں کی مشکل پسندی نہیں، عبارت، روایات کے بوجھل حوالوں کے باوجود میدانی ندی کی طرح رواں دواں ہے بلکہ قاری بڑے گھمبیر مسائل کو بھی طبعی روانی کے ساتھ پڑھ جاتا ہے، اصطلاحات کے پتھر کہیں راہ نہیں کاٹتے اور نظریاتی الجھنوں کی جھاڑیاں کہیں دامن نہیں کھینچتی، بسا اوقات تو تحریر میں طنز و مزاح کا چٹخارہ بھی مزہ دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے طرزِ ادا کی شگفتگی کی پوری بہار آپ کے سفرنامہ مٹھی میں بڑی نمایاں ہے۔ پڑھنے میں بھی حلاوت کا احساس ابھرتا ہے اور سننے میں بھی سماعت چٹخارے لیتی ہے۔ صرف ایک لائن ہی حصولِ مدعا کے لیے کافی ہے، مٹھی کے ریگستانوں کے لوگوں کا مزاج کیسا ہے، سنئے:

...... ''یہاں کے لوگ باہر سے آنے والے ہر شخص کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔۔۔ یقین کا آغاز تو شک سے ہی ہوتا ہے۔ شاید حصولِ یقین کے لیے شک کرتے ہیں۔'' [۱۳]

الغرض محترم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے عمر بھر دین و ملت کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ درس و تدریس میں بھی لائقِ تقلید معیار قائم کیا اور تصنیف و تالیف میں بھی علمی و تحقیقی منزلت حاصل خصوصیت سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اور امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے مشن کو زندہ و تابندہ رکھا اور امتِ مسلمہ کی اصلاح اور فلاح کے لیے زندگی وقف رکھی، ایک ملازمت پیشہ انسان جیسے تبادلوں کی مکروہات سے بھی گزرنا پڑا اور محکمانہ فرائض کو بھی نبھانا پڑا۔ کس طرح یہ توفیق پا گیا کہ اس قدر تحریری مواد چھوڑ گیا جو تحقیق و تنقید کے معیار کو بھی چھوتا رہا اور اثر آفرینی کے جوہر بھی دکھاتا رہا۔

امت اور رضویت سے اہلسنّت کے ساتھ کس قدر لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ آپ کی تحریر کے ورق ورق اور سطر سطر سے ہوتا ہے، ایک اقتباس جو دراصل ایک دردمندانہ اپیل ہے۔ اسی پر ان معروضات کو ختم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مسعودی مشن کو جاری رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

...... ''آخر میں اہلِ سنت و جماعت (مسلکِ بریلوی) سے عرض کروں گا کہ افہام و تفہیم کے دو طریقے ہیں، ایک عارفانہ، دوسرا جارحانہ۔ راقم کے خیال میں جارحانہ طریقے سے عارفانہ بدرجہا بہتر اور مؤثر ہے۔ جارحانہ طرزِ تبلیغ و ارشاد سے افادیت مجروح ہوتی ہے اور جس کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ جذباتی طور پر اتنا گھائل ہو چکا ہوتا ہے کہ اس میں سمجھنے کی سکت و قوت باقی نہیں رہتی، برخلاف عارفانہ طرزِ تبلیغ و ارشاد کے جو سراسر مفید اور مؤثر ہے کہ جس کو سمجھانا چاہتے ہیں وہ جذباتی طور پر سمجھنے کے لیے تیار ہوتا ہے اور نصیحت و تلقین اس کے دل میں گھر کرتی چلی جاتی ہے، اس لیے اگر جارحانہ انداز ترک کر کے عارفانہ انداز اختیار کیا جائے تو ملک و ملت اور انسانیت کی خدمت ہوگی۔ اس وقت جارحانہ انداز سے صرف مادی فوائد اور نفسانی سکون کی امید کی جاسکتی ہے۔ کوئی اخلاقی یا روحانی فائدہ نظر نہیں آتا اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ امام احمد رضا نے جو کردار ادا کیا وہی تھا جو ایک ماہر سرجن پر دوسروں کا قرض ہے کہ مریض کی کماحقہ تیمارداری اور دلداری کریں اور اصلاح کی کوشش کریں۔ [۱۴]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

## حوالہ جات


۱۔ عبقری الشرق، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مسعودیہ، ناظم آباد، کراچی ۱۹۹۷ء۔ ص: ۳۷، ۳۸

۲۔ دائرہ معارف امام احمد رضا، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۹۸۷ء، ص: ۲۳

۳۔ اُجالا، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۴ء، ص: ۵

۴۔ گناہِ بے گناہی، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۱ء، ص: ۹، ۱۰

۵۔ آئینہ رضویات، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۹ء، ص: ۱۸۰

۶۔ امام احمد رضا کانفرنس مجلہ ۱۹۹۶ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۶ء، ص: ۲۶

۷۔ معارف رضا ۱۹۸۹ء، امام احمد رضا اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۹ء، ص: ۱۸۰

۸۔ امام احمد رضا اور علومِ جدیدہ وقدیمہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مسعودیہ، ناظم آباد، کراچی ۱۹۹۶ء، ص: ۶

۹۔ آئینہ رضویات (عاشقِ رسول)، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۹ء، ص: ۲۰۴

۱۰۔ آئینہ حقائق، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مظہرِ اسلام، لاہور ۱۹۹۷ء، ص: ۳

۱۱۔ معارف رضا ۱۹۹۲ء، کنز الایمان کی ادبی جھلکیاں، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۹۲ء، ص: ۲۸

۱۲۔ اُجالا، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۴ء، ص: ۵۲

۱۳۔ سفرنامہ مٹھی، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ مظہرِ اسلام، لاہور ۱۹۹۸ء، ص: ۳۱

۱۴۔ آئینہ رضویات، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۹ء، ص: ۱۸۱


............ xxx ............

# مسعودِ ملت کے نقوشِ تابندہ

علامہ یٰس اختر مصباحی ☆

سعادتِ لوح و قلم، نقیبِ افکارِ مجددِ الف ثانی و مجددِ قرنِ رابع عشر حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی مظہری علیہ الرحمۃ والرضوان (وصال بروز دوشنبہ بتاریخ ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۸/ اپریل ۲۰۰۸ء بمقام کراچی) کے سانحۂ ارتحال نے برصغیر پاک و ہند کے دینی و علمی حلقوں بالخصوص خواجہ تاشانِ سلسلۂ مجددیہ و رضویہ کو غم زدہ اور نڈھال کر دیا۔ ان کی روحِ پاکیزہ کے ایصالِ ثواب کی مجالس اور تعزیتی جلسوں کا سیکڑوں مقامات پر انعقاد ہوا جس میں ان کے تحریری کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا اور ان کی دل آویز شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ یہ سلسلۂ ذکر و فکر جاری ہے اور مدتوں بعد بھی اسی طرح جاری رہے گا۔

جان کر منجملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی خطیب و امام مسجد فتح پوری دہلی (متوفی ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) کا یہ چشم و چراغ اور گلِ سرسبد دہلی کی خاک سے ابھرا، دینی و عملی ماحول میں پروان چڑھا اور اپنی دانشورانہ و پُرکشش قلمی خدمات کی بدولت برصغیر پاک و ہند کے وسیع آفاق پہ ابرِ کرم کی طرح چھا گیا۔ اپنے بیگانے سب اس کے اندازِ فکر، طرزِ ادا اور اسلوبِ نگارش کے دلدادہ ہو گئے۔ مدارس سے کالج و یونیورسٹی تک اس نے بے شمار تعلیم یافتہ افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور لاکھوں خواص و عوام اس کے ساتھ اپنی عقیدت و نیاز مندی کا اظہار کرنے لگے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد کے سیال و گوہر بار قلم کے نقوشِ فکر ہزاروں صفحات پہ درخشندہ و تابندہ ہیں۔ مختلف موضوعات پر انہوں نے بہت کچھ لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ تحقیقی اور ادبی رنگ ان کی تحریر پر غالب ہے۔ ان کا اسلوبِ تحریر نہایت ممتاز اور منفرد ہے اور مذہبی میدان کے وہ ایک ایسے حقیقی صاحبِ طرز ادیب ہیں جن کا قاری ایک ایسے عالمِ رنگ و بو میں پہنچ جاتا ہے جہاں ہر طرف نکہت و نور کی بارش اور عطر و عنبر سے معمور فضا میں اس کا سارا وجود سرشار اور مشک بار ہو جاتا ہے۔

ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بیک وقت انہوں نے اپنے اپنے عہد کے دو مجددِ دینِ اسلام کی حیات و خدمات اور ان کی تعلیمات و ہدایات کو دنیا کے سامنے عصری اسلوب میں پیش کیا اور ان کا نقش و نگار واضح و روشن کرنے اور صحیح خط و خال نمایاں کرنے میں انہوں نے اپنی قلمی توانائیاں صرف کر دیں، انہوں نے جو لکھا اسے ماننے پر ایک بہت بڑے طبقے کو مائل اور مجبور کر دیا۔

نقشبندی مجددی ہونے کے ناطے ان کا پہلا فرض تھا کہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی (وصال صفر ۱۰۳۴ھ/ دسمبر ۱۶۲۴ء) کے افکار و تعلیمات کو عام کریں، چنانچہ انہوں نے اپنا یہ فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا اور عمر کے آخری حصہ میں ''جہانِ امامِ ربانی'' کے نام سے ضخیم مجلدات پر مشتمل جو بے نظیر اور گراں قدر کارنامہ انجام دیا وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل اور لائقِ صد تحسین و آفرین ہے۔

☆ دار القلم، قادری مسجد روڈ، اوکھلا، نئی دہلی، انڈیا۔

چودھویں صدی کے مجدد امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) سے کوئی سلسلۂ تلمذ و بیعت نہ ہونے کے باوجود پروفیسر محمد مسعود احمد نے لگ بھگ پینتیس سال تک ''رضویات'' پر جتنا معیاری اور وقیع کام کیا، یہ انہیں کا حصہ ہے۔ انہوں نے امام احمد رضا پر کتب و مقالات خود لکھنے کے ساتھ ساتھ بہت سے اصحابِ علم وقلم کو اس جانب متوجہ کیا۔ ان کی رہنمائی بھی کی اور آخری مرحلے تک ان کے ساتھ تعاون بھی کیا۔ ہند و پاک سے امریکہ تک کی یونیورسٹیوں کے جتنے ریسرچ اسکالروں نے اس موضوع پر اپنا مقالۂ ڈاکٹریٹ مکمل کیا ہے، وہ سب کے سب آپ کے ممنونِ کرم ہیں اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''رضویات'' پر نئے انداز سے لکھنے کا آغاز پروفیسر محمد مسعود احمد ہی نے کیا ہے اور ہند و پاک میں رضویات پر کام کرنے کا جوش وخروش آپ ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے جسے آپ نے مرکزی مجلسِ رضا لاہور اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، پاکستان کے پلیٹ فارم سے انجام دیا ہے۔

حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد ذاتی واخلاقی سطح پر بھی نہایت وسیع الظرف اور بلند کردار انسان تھے۔ ان سے ملنے والے افراد ان کی شخصیت سے حد درجہ متاثر ہوا کرتے تھے۔ تفاخر وتعلّی اور جذبۂ شہرت وناموری سے وہ کافی حد تک محفوظ تھے اور اپنے آپ کو انہوں نے انکسار وتواضع کا پیکر بنا رکھا تھا۔

راقم سطور سے آپ کے تعلقات کا دائرہ تقریباً تیس سال پر محیط ہے۔ خط وکتابت کا سلسلہ بھی مدت دراز تک جاری رہا۔ آپ کے خطوط ماہنامہ حجاز جدید دہلی میں سولہ سترہ سال پہلے میں نے شائع بھی کر دیے ہیں۔ انتقال سے ایک ماہ پہلے آپ جب دہلی تشریف لائے تھے تو آپ سے ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ امام ربانی کانفرنس مسجد فتح پور دہلی میں ساتھ بھی رہا جس میں امینِ ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشین خانقاہِ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف بھی شریک تھے۔

اس سے پہلے کے ایک سفرِ دہلی کے دوران آپ میری دعوت پر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی بھی قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔ اس موقع پر علماء وطلبہ سے یہاں آپ نے تبادلۂ خیال بھی کیا اور دہلی میں کام کرنے کے لیے مفید مشورے بھی دیے۔

المجمع الاسلامی مبارکپور کے ارکان سے آپ کے خصوصی مراسم تھے اور سبھی سے آپ کی مراسلت بھی تھی، ۱۹۹۰ء میں دورۂ پاکستان کے وقت آپ راقم سطور کے ساتھ بہت شفقت ومہربانی کے ساتھ پیش آئے۔ اپنے اہلِ عقیدت وارادت کے یہاں آپ نے کئی بار ضیافت کا اہتمام بھی کیا۔ اسی طرح دہلی سے کراچی تک آپ سے بار بار ملاقات وگفتگو اور دینی وعلمی موضوعات پر تبادلۂ خیال کا راقم سطور کو موقع ملا۔

آپ کی خدمات کے بہت سارے پہلو ہیں جن پر ان شاءاللہ مستقبل میں تفصیل کے ساتھ لکھا جائے گا۔ لکھنے والے لکھتے رہیں گے اور آپ کی شخصیت کے جلوے نکھرتے رہیں گے۔

سرِ دست یہی چند تاثراتی کلمات حاضرِ خدمت ہیں جو بعجلت تمام ضبطِ تحریر میں آ گئے ہیں۔

**ربِ کائنات اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقہ وطفیل میں پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے اجرِ جزیل مرحمت فرمائے۔ آمین۔**

**﴿بشکریہ ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی۔ جولائی ۲۰۰۸ء﴾**

# پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ماہرِ رضویات

ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين والعاقبة للصديقين والشهداء والصلحين وعلينا معهم يا ارحم الرحمين.

اما بعد

فقد قال الله تعالی

ومن يطع الله والرسول فاولئک مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصلحين وحسن اولئک رفيقا [۱]

ترجمہ: ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانیں گے انہیں ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا صلہ بتایا ہے؛ حدیث شریف میں ہے، حضرت انس سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: قیامت کب ہوگی؟ فرمایا: قیامت کیلئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا:

حُبُّ اللّٰہ و رسُولہ. قال : فانک مع من احببت.

قال انس : فمافرحنا بعد الاسلام فرحا اشد من قول النبی ﷺ. [۲]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی محبت، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: 'تو اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی'۔

حضرت انس نے فرمایا: ہم اسلام کے بعد اس حدیث سے جتنے خوش ہوئے کسی اور چیز سے نہیں ہوئے۔''

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں کئی روایات ہیں، جن کا مآل ایک ہی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائیگا اور ہمیں اس سے بہت نیچے مقام ملے گا اور اسطرح ہم آپ کی صحبت اور دیدار سے محروم رہیں گے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اُن کو تسلی دی۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطورِ خاص نبی کریم ﷺ سے اس کی درخواست کی: اسئلک مرافقتک فی الجنة، قال : فاعنی علی نفسک بکثرة السجود۔ [۳]

'' آپ سے میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: پس تم اپنے آپ پر میری مدد کثرتِ سجود کے ساتھ کرو۔''

امام رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی شانِ نزول کے تین واقعات لکھے ہیں اور ان واقعات کے بعد یہ لکھا ہے کہ: یہ صلہ صرف صحابہ کیلئے نہیں ہے، بلکہ ہر اس شخص کیلئے ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا۔ [۴]

حضرت مسعودِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، آپ کا پورا سلسلہ صرف علمی نہیں تھا، بلکہ علم کے میدان میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا، پھر آپ نے اپنے اسلاف کا یہ علمی روشہ پایا۔

## ﴿نسب﴾

آپ کے جدِ اعلیٰ جناب سالار بخش مغلیہ دورِ حکومت میں عہد

وزارت پر فائز تھے۔ آپ کے پردادا حضرت مفتی رحیم بخش المعروف محمد مسعود (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء۔ بروز بدھ، ۱۰رجب المرجب ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۳ء) کے والد کا نام الٰہی بخش اور جدِ امجد کا نام احمد تھا۔ آپ کے چار بیٹے تھے، احمد سعید، عبدالمجید، عبدالرشید، اور حبیب اللہ۔ مولانا احمد سعید (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء)، فقیہ الہند مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء۔ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) کے والد اور مسعودِ ملت کے دادا تھے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ [۵]

## ولادت با سعادت

آپ کی پیدائش ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں شاہی مسجد فتح پوری سے متصل محلے میں دہلی غیر منقسم ہندستان میں ہوئی۔ [۶]

## تعلیم

آپ کی تعلیم کی ابتداء قرآن مجید سے ہوئی۔ آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن مجید خود پڑھایا۔ ۱۹۴۸ھ تک انڈیا میں درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد پاکستان آگئے۔ ۱۹۵۱ھ میں میٹرک میں داخلہ لیا، ۱۹۵۸ھ میں ایم اے کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کر کے گولڈ میڈل حاصل کیا، اور ۱۹۷۱ھ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ [۷]

## تدریس

۱۹۵۸ھ سے لیکچرار کے عہدے سے تدریس کی ابتداء کی، ۱۹۷۰ھ میں پرنسپل کے عہدے پر ترقی پائی، ۲۳رفروری ۱۹۹۱ء سے چند ماہ ایڈیشنل سیکریٹری بھی رہے۔ [۸] اور ۱۹۹۲ھ میں سکھر گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ کے پرنسپل کے عہدے پر ریٹائرڈ ہوئے۔ [۹]

## تصنیف وتالیف

۱۹۵۱ء میٹرک کی تعلیم ہی سے آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا، جو تا دمِ زیست جاری رہا۔ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء تک تصانیف وتالیفات کی تعداد ایک سو (۱۰۰)، اور مقالات ومضامین کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ تھی، تبصرے، مقدمے، پیش لفظ، تأثرات، پیغامات بیشماراُن کے علاوہ تھے۔ [۱۰] لیکن اب ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء تک تصانیف وتالیفات کی تعداد دوسو (۲۰۰) تک، اور مقالات ومضامین کی تعداد پانچ سو (۵۰۰) سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔

## ☆رضویات☆

حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ پر کام کا آغاز ۱۹۶۹ء میں فرمایا، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات پر ۱۹۶۹ء میں قلم اٹھایا۔ [۱۱]

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب امام احمد رضا خان کو متعارف کرنے میں ہمہ وقت اس طرح مصروفِ عمل رہے کہ انہیں اگر کہیں سے خبر مل جاتی کہ امام احمد رضا خان کا تعارف کسی حلقۂ علمی میں صحیح طور پر نہیں ہو رہا ہے، تو وہ اس خلا کو اپنی علمی کاوش سے پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک موقع پر آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ پنجاب یونیورسٹی کا شعبۂ معارف اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ کی سربراہی میں ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کی اشاعت کررہا ہے، آپ نے اس کے طبع شدہ نسخے ملاحظہ کیے تو اس میں الف کی تختی میں پاک و ہند کے تمام فرقوں کے علماء اور دیگر معروف لوگوں کا تعارف شامل تھا، (لیکن اہل سنت سے کسی ایک عالم کا بھی نہیں؛ اس لئے) آپ نے بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر عبداللہ کو خط لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ کسی اسکالر نے امام احمد رضا پر مقالہ لکھ کر نہیں بھیجا اور تختی بھی ختم ہوگئی ہے، اگر آپ لکھ کر بھیجیں تو ہم اس کی طباعت کا بندوبست کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے انتہائی جامع مقالہ امام احمد رضا کی شخصیت اور خدمات پر لکھا جو ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں ''ر'' کی تختی کے تحت شائع ہوا۔ [۱۲]

﴿ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا﴾

۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب کی ملاقات سید ریاست علی قادری صاحب سے ہوئی، رسالہ لوگارثم کے مقدمہ میں ایک ادارہ کے قیام پر زور دیتے ہوئے لکھا:

فی الحقیقت امام احمد رضا کی شخصیت پر کام کرنے کیلئے ایک فعال ادارے کی ضرورت ہے، فردِ واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ آپ کے ہمہ گیر افکار و کردار پر تحقیق کا حق ادا کر سکے۔ امید ہے کہ پاک و ہند کے علمی ادارے اس طرف متوجہ ہونگے اور گذشتہ نصف صدی (۱۹۲۱ء - ۱۹۷۱ء) تک جو غفلت برتی گئی اس کی تلافی کریں گے۔ [۱۳]

ڈاکٹر صاحب کی خواہش اسی سال پوری ہوگئی؛ جب کہ ایک ادارہ بنام ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' کی بنیاد اسی سال رکھی گئی، جس کے اولین مخلصین میں ڈاکٹر صاحب بھی دیگر افراد کے ساتھ شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر سید ریاست علی قادری صاحب نے مختلف اہل قلم کو خطوط لکھے کہ وہ امام احمد رضا پر تحقیقی مقالات لکھیں، جس کے مثبت نتائج سامنے آئے۔ [۱۴]

ادارہ اور ڈاکٹر صاحب ایک دوسرے کی پہچان ہیں؛ لہٰذا اس ادارے سے آپ کی جدائی ناممکن ہے۔ الحمد للہ ڈاکٹر صاحب آج تک ادارہ کی سرپرستی فرمارہے ہیں۔ (۱۵)

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی، جس نے جامعات کے اساتذہ کے ساتھ تبادلۂ خیال کے بعد M.Phill,M.Ed اور Ph.D کرنے کے لئے اساتذۂ کرام اور طلباء کو دعوت دی۔ یہ دعوت صرف کراچی تک محدود نہیں تھی، بلکہ پاکستان کی تمام جامعات کے علاوہ انڈیا اور دیگر بلاد کی جامعات میں اس دعوت کو پیش کیا گیا اور ان سب کو امام احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) پر لکھا گیا لٹریچر بھی پہنچایا گیا، جس کے باعث تحقیق کی ایک لہر دوڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسکالرز کی ایک بڑی تعداد نے PhD اور M.Phil کی اسناد کے حصول کیلئے امام احمد رضا خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مختلف گوشوں پر Synopsis جمع کئے اور پھر ایک کے بعد ایک نے سند کا حصول بھی شروع کر دیا۔ [۱۶]

﴿ایم فل اور پی ایچ ڈی﴾

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے تصنیفی، تدریسی، تبلیغی، اصلاحی وغیرہ بیشمار مصروفیات کے باوجود کئی حضرات کیلئے M.Phil اور Ph.D کی اسناد کے حصول میں نگرانی فرمائی۔ آپ کی ہمشیرہ آر، بی، مظہری نے آپ کی نگرانی میں ''مولانا احمد رضا بریلوی- حالات وادبی خدمات'' کے عنوان پر ۱۹۸۳ء میں سندھ یونیورسٹی جام شورو سے ایم فل کی سند حاصل کی۔ [۱۷] ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے آپ کی نگرانی میں ''کنز الایمان اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' کے عنوان پر ۱۹۹۳ھ میں کراچی یونیورسٹی سے Ph.D کی سند حاصل کی۔ [۱۸] اور فقیر ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی نے آپ کی نگرانی میں ''احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' کے عنوان پر ۲۰۰۶ء میں جامعہ کراچی سے Ph.D کی سند حاصل کی۔ [۱۹]

ڈاکٹر صاحب کے پاس اگرچہ زیادہ اسکالرز انرولڈ نہیں ہیں، مگر کوئی بھی اسکالر جہاں کہیں بھی Ph.D کی سند کیلئے کوشاں ہوتا ہے، تو اس کا پہلا رخ ڈاکٹر صاحب کی طرف ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کو موضوع اور موضوع سے متعلق تمام ضروری کوائف مع کتابیات فراہم کر دیتے ہیں؛ اس لحاظ سے کوئی بھی Ph.D اسکالر ڈاکٹر صاحب کے فیض سے محروم نہیں ہوتا۔ [۲۰]

صفر المظفر ۱۴۲۸ھ/ مارچ ۲۰۰۷ء تک امام احمد رضا پر تکمیل شدہ Ph.D کی تعداد بائیس (۲۲) اور زیرِ تکمیل Ph.D کی تعداد

بارہ (۱۲)، اور ایک D.Lit تھی۔ کل تعداد M.Phil اور M.Ed کی سڑسٹھ (۶۷) اور بین الاقوامی جامعات کی تعداد تینتیس (۳۳) ہے۔[۲۱]

دوسرے دور کا آغاز ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اعلیٰ حضرت کی سوانح حیات پر مرتب کردہ ''دائرۂ معارفِ رضا'' اس خاکہ سے ہوتا ہے، جو پندرہ (۱۵) جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ مستقبل کی رضویات کے محققین کیلئے تھیسز کی تیاری سے قبل موضوع اوراس کے ذیلی عنوانات کے انتخاب کے حوالے سے یہ خاکہ ایک رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جتنے بھی M.Phil اور Ph.D کے مقالات لکھے جا چکے ہیں وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اس میں بیان کردہ عنوانات سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر تیسرے دور میں بہت سے حضرات جامعات میں ''رضویات'' پر ریسرچ تھیسز کی نگرانی اور سرپرستی کا فریضہ سرانجام دینے لگے، اور بحمد اللہ تعالیٰ ایسے ذی علم حضرات کی تعداد روز افزوں ہے اور یہ سب فیض ہے ماہر رضویات قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی سرپرستی، رہنمائی اور قلمی تربیت کا۔[۲۲]

### ﴿نصابِ جامعہ﴾

جامعہ کراچی کے نصاب میں آپ کی کتاب ''حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی'' رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ٹیکسٹ بک کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔[۲۳]

### ﴿تجدید واحیاء﴾

امام احمد رضا کو پھر زندہ کیا، ایک صاحب نے یہاں تک کہا: ''ہم احمد رضا کو دفن کر چکے تھے، فلاں پروفیسر نے قبر سے پھر نکالا ہے، اب دوبارہ دفن کرنے کیلئے نصف صدی لگے گی۔[۲۴]

حضرت مسعود الملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی تجدیدی کام ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کام کو زندہ کیا، یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہر کام چھوٹا ہے، رضویات کی پہچان آپ سے ہے اور آپ کی پہچان رضویات سے ہے، اگر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے تو کسی کی پہچان نہیں رہے گی؛ اس لئے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے؛ اسی لئے حضرت مسعود الملت مجدّدِ رضویات ہیں اور بس!

### ﴿آئینۂ رضا﴾

یہ حقیقت ہے کہ جس مجلس میں بھی امام احمد رضا کا ذکر ہوگا وہاں ڈاکٹر صاحب کا ذکر بھی ضرور ہوگا؛ کیونکہ کوئی محقق اس آئینہ کی طرف رجوع کئے بغیر امام احمد رضا پر تحقیق نہیں کر سکے گا۔[۲۵]

### ﴿تصویرِ رضا﴾

حضرت امام غزالی کے عہد میں جس طرح ایک انگریز مستشرق عراق آیا تھا اور وطن واپسی پر جب لوگوں نے اس سے اسلام کے بارے میں پوچھا؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے اسلام کا جائزہ تو نہیں لیا البتہ جس مذہب کے پیرو امام غزالی جیسی شخصیت ہو اسکی بابت یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ مذہب حق ہے، اسی طرح جن لوگوں نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے کارناموں کا جائزہ نہیں لیا ہے وہ آج ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جیسے عالم و فاضل کے حوالے سے یہ ضرور کہہ رہے ہیں کہ امام احمد رضا عظیم ہیں اور سچے ہیں۔[۲۶]

### ﴿فنافی الرضا﴾

''احقر (یعنی ڈاکٹر مجید اللہ قادری) کا خود بیس (۲۰) سالہ مشاہدہ ہے کہ مسعودِ ملت ہر مجلس میں امام احمد رضا کی تعلیمات کا ضرور ضرور ذکر فرماتے ہیں اور احقر کے ساتھ تو سلام دعا کے بعد پہلی گفتگو امام احمد رضا سے متعلق ہوتی ہے۔ احقر اس کی روشنی میں یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ ڈاکٹر صاحب ''فنافی الرضا'' ہیں۔''[۲۷]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت

علیہم (۲۸)

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

یوم ندعوا کل اناس بامامھم فمن اوتی کتبہ بیمینہ فاولئک یقرءون کتبھم ولا یظلمون فتیلا ☆ (۲۹)

فنائیت محبت کا آخری درجہ ہوتا ہے، اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ بالکل شروع میں حدیث لکھی تھی ''فانک مع من احببت''۔ تو اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔

اب عالمِ برزخ میں حضرت مسعودِ ملت حضرت رضا کے ساتھ ہیں۔

﴿پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ماہر رضویات ہیں﴾

فقیر پر تقصیر ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی ان شواہد و دلائل کی بنیاد پر کہہ سکتا ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ماہر رضویات ہیں؛ سب سے پہلے ہونا کوئی خوبی نہیں، اگر یہ خوبی ہے تو پھر حکیم موسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ خوبی ہے؛ کیونکہ انہوں نے آپ کو رضویات پر کام کی دعوت دی اور وہ اس سے پہلے رضویات پر کام کر رہے تھے اور کرار ہے تھے۔ [۳۰] بلکہ محققین رضویات کے امام اور خاتم ہیں۔ آپ نے رضویات کے میدان میں جو کام کیا اور جس طرح کیا دوسرے محققین اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے، بلکہ آپ کے دیے ہوئے اہداف کو بھی حاصل نہ کر سکے۔

فقیر پر تقصیر ڈاکٹر مفتی منظور احمد سعیدی نے آپ کے رسالہ ''دائرۂ معارفِ رضا'' میں دیے گئے اہداف میں سے کچھ کا انتخاب کیا، اور ان سے اپنے Ph.D تھیسز ''احمد رضا خان کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' کے ابواب اور فصول کا تعین کیا۔

میں یہاں پر اختصار کے پیش نظر صرف ابواب کو درج کررہا ہوں۔

اول: تاریخ و تدوین حدیث، دوم: حیات احمد رضا خان، سوم آثار، چہارم: اکابر و متوسلین، پنجم: حجیۃ الحدیث میں خدماتِ احمد رضا خان کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ششم: اصولِ حدیث میں خدماتِ احمد رضا خان کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ہفتم: احادیث سے استنباط و استخراج اور استدلال کے طریقوں میں خدماتِ احمد رضا خان کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ہشتم: تعدیل اور اسماء الرجال میں خدماتِ احمد رضا خان کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، نہم: علومِ حدیث میں احمد رضا خان کی تحریرات کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ضمیمہ: عکوس، مخطوطات اور اہم کتب، اور دہم: مآخذ و مراجع۔ یہ مقالہ اس سائز کے نوسو (۹۰۰) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائے گا۔

میں نے ۲۰۰۲ء میں اس کے چھ باب مکمل کئے تھے، اس کے بالکل قریب ۲۰۰۳ء میں امام احمد رضا کانفرنس ہونے والی تھی، اس کی تحقیق کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اس کانفرنس میں مقالہ پڑھنے کا حکم فرمایا، میں نے اس کانفرنس میں ''امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدماتِ علومِ حدیث'' کے عنوان سے مقالہ پڑھا، جس کو تمام مقالات سے زیادہ پسند کیا گیا۔ یہ سب کچھ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ کا نتیجہ تھا، ورنہ

من آنم کہ من دانم۔

مجھے اس سے پہلے کوئی تحریری تجربہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ والدین، اساتذہ اور دوست و احباب کو خطوط لکھنا، یا کبھی کبھی اسباق میں سے کچھ لکھنا، میں اپنے اندر جو کچھ بھی پاتا ہوں اساتذہ کی کرامتیں ہی پاتا ہوں۔ حضرت مفتی علی الاطلاق، و شیخ الحدیث و التفسیر، و مصنفِ اعظم فی عصرہ ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی اطال اللہ تعالیٰ عمرہ و افاض اللہ تعالیٰ جمیع علماء المسلمین من فیوضہ و برکاتہ کے دار العلوم جامعہ اویسیہ بہاولپور میں ۱۹۶۹ء میں یا اس سے قبل گیا، میں اُس وقت فارسی کی کتب 'نام حق' اور 'پند نامہ' پڑھتا تھا، حضرت مفسرِ

اعظم دورۂ حدیث اور فوقانی کتب پڑھاتے تھے، ابتدائی اور متوسط کتب کیلئے اور اساتذہ تھے، آپ کا طریقہ تھا کہ اگر کوئی استاذ رخصت پر گیا ہے، تو اس کے اسباق خود پڑھاتے تھے، جس وقت میں نے دار العلوم میں داخلہ لیا، اس وقت وہ استاذ چھٹی پر تھے، جنہوں نے مجھے اسباق پڑھانے تھے؛ اس لئے حضرت محدثِ کبیر مدفیوضہ نے مجھے اسباق پڑھائے، مجھے پڑھتے ہوئے دو سال سے اوپر کا عرصہ ہو چکا تھا، لیکن میرا ذہن بالکل بند تھا کچھ بھی سمجھ نہیں آتا تھا، آپ نے جیسے ہی پہلا بیت پڑھایا فوراً سمجھ آ گیا، اس کے بعد کبھی بھی ذہن بند نہیں ہوا۔ آپ نے مجھے پندرہ دن اسباق پڑھائے۔ میں یہ نہیں کہتا ''پہلے اساتذہ سے اس لئے سمجھ نہیں آیا کہ وہ صحیح اساتذہ نہیں تھے؛ کیونکہ وہ تو خود مفتی صاحب کے کبیر اساتذہ تھے یعنی مولانا حافظ سراج احمد اور مفتی عبد الواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، بلکہ میری قسمت میں اسی طرح لکھا تھا کہ یہ فیض فیضِ اہلِ سنت سے ملنا تھا۔ میں نے بیشمار مواقع پر اساتذہ کی کرامتوں کو دل میں محسوس کیا، کئی دفعہ رات کو مطالعہ کیا کچھ نہ سمجھ آیا، جب صبح کو اساتذہ کے سامنے عبارت پڑھنے بیٹھے، عبارت کے پڑھنے کے ساتھ ہی سب کچھ سمجھ آ گیا۔ یہ کیا ہوتا تھا؟ کیا اپنا کمال ہوتا تھا؟ نہیں، بلکہ یہ فیضِ نظر ہوتا تھا۔ اور یہی نظرِ مسعود و مبارک ہوئی، جس نے ایک ناکارہ کو ''منظورِ'' نظر بنا دیا۔

آپ نے صرف Ph.D میں سرپرستی نہیں فرمائی، بلکہ اپنے رسائل کی تخریج و تحشیہ اور تصنیف میں بھی سرپرستی فرمائی، (۱) ''نرمی و آسانی'' کی تخریج و تحشیہ، (۲) ''درود تاج'' کی تصنیف میں شرکت، اور (۳) ''جہانِ امام ربانی'' کیلئے مقالہ کی تصنیف بنام ''تنقید جہانِ امام ربانی'' جس کو ''باقیاتِ جہانِ امام ربانی'' کی پہلی جلد میں شامل کیا گیا ہے۔

## ﴿سانحۂ ارتحال﴾

شب ۲۲ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ/ ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء بروز پیر بعد نمازِ مغرب عالم زیریں سے عالم بالا کی طرف رحلت فرمائی۔

## ﴿سوگواران﴾

ایک صاحبزادے ابو السرور محمد مسرور احمد (شاہ مبشر احمد صدیقی) متولد ۱۱ر شوال ۱۳۹۰ھ/ ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۰ء، اور تین صاحبزادیاں سوگوار چھوڑیں (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد- حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۱۰۷، ۱۱۰)۔ بلکہ تمام عالم سنیت اس عظیم ترین سانحہ کے غم سے نڈھال ہے؛ اس لئے کہ آپ کے بارے میں کوئی سنی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ صرف میرے تھے۔ آپ کی دولت مال نہیں تھی، آپ کی دولت تو علم و تقویٰ تھا؛ اس لئے سب سے پہلے آپ کے وارث علماء ہیں؛ کیونکہ علماء کے وارث علماء ہی ہوتے ہیں، علم کی دولت دوسری تمام دولتوں سے اعظم و اعلیٰ ہے؛ اس لئے کہ یہ روحانی ہے اور دوسری مادی۔ عالم سنیت کے آفتاب غروب ہو گئے؛ اس لئے ہر طرف تاریکی چھا گئی ہے۔ ایک شجرۂ طیبہ تھا جسکی جڑیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے صحیح احترام و تعظیم میں پیوستہ تھیں اور جس کی شاخیں آسمانِ سننِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر تھیں اس کے سایہ میں طفلِ اہلِ سنت پروان چڑھ رہا تھا۔ اس شجرۂ طیبہ کے روحانی تخم سے ابھی کچھ نباتاتِ طیّبات کی نرسری تیار ہوئی تھی اور کچھ کی تیار ہو رہی تھی کہ اس کو ہمارے پروردگار نے جنت میں پہنچا دیا۔ ایک بارانِ رحمت تھا جس سے اہلِ سنت کے کچھ شجراتِ طیّبات کی آبیاری ہو چکی تھی اور کچھ کی ہو رہی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے آگے کے جہان کی طرف چلا گیا اور اہلِ سنت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پیاسہ چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ مولیٰ کریم تمام پس ماندگان یعنی اہلِ خانہ اور تمام اہلِ سنت کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے اور آپ کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

## ﴿حواشی و حوالہ جات﴾

(۱) القرآن، النساء: ۲۹
(۲) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الادب، باب علامة

حب اللہ عزو جل . اور الصحیح لمسلم ، کتاب البر و الصلة و الآداب . باب المرء مع من احب ، حدیث : ۲۶۴۰ . اور تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر : ۱ / ۵۲۳ .

(۳) الصحیح لمسلم ، کتاب الصلاة ، باب فضل السجود و الحث علیه ، حدیث : ۴۸۸ .

(۴) التفسیر الکبیر و مفاتیح الغیب : ۱۰ / ۱۷۶

(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات - ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی ، ضیاء الاسلام پبلیکیشنز عید گاہ کراچی ، بارِ اول ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء، ص: ۶۵-۷۳۔

نوٹ: مولانا احمد سعید (م ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام دوسری جگہ اسی کتاب میں "محمد سعید" لکھا ہے، ڈاکٹر لطیفی صاحب نے اس پر کوئی تحقیق نہیں کی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۶۸۔

(۶) (تقریباً ۲۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ/ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء۔ جہانِ مسعود، ص: ۲۷، آر بی مظہری) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۷۷۔

(۷) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۷۸-۷۹۔

(۸) مکتوبات مسعودی، عبد الستار طاہر نقشبندی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۴۔

(۹) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۸۱-۸۲، اور ۸۹-۹۳۔

(۱۰) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد - حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۸۶۔

(۱۱) مکتوبات مسعودی، ص: ۲۲۱۔

(۱۲) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۷۔

(۱۳) (مقدمۂ لوگارثم، ص: ۲۰، مطبوعہ ۱۹۸۰ء) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۸۔

(۱۴) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۸۔

(۱۵) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۱۔

(۱۶) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ؛ ایک تعارف ، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی ، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص: ۲۶۔

(۱۷) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ؛ ایک تعارف ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص: ۴۲۔ اور تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۔

(۱۸) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ؛ ایک تعارف ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص: ۳۸۔ اور تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۷۔

(۱۹) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ؛ ایک تعارف ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص: ۴۰۔ اور تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۷۔

(۲۰) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۷۔

(۲۱) معارفِ رضا ، سالنامہ ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ص: ۲۹۔

(۲۲) معارفِ رضا ، سالنامہ ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ص: ۲۹-۳۰۔

(۲۳) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ؛ ایک تعارف ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ص: ۳۳۔

(۲۴) (تذکرہ مسعودِ ملت، ص: ۸۱، مطبوعہ ۱۹۹۰ء) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۹۔

(۲۵) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲۔

(۲۶) ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور نثر اردو، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، ادارہ مسعودیہ کراچی ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۹-۱۰۔

(۲۷) تذکرہ اراکین ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ص: ۲۲-۲۳۔

(۲۸) القرآن ، الفاتحة ، الآیة : ۵ - ۶

(۲۹) القرآن ، بنی اسرائیل ، الآیة : ۷۱ .

(۳۰) آئینۂ رضویات، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ج: ۳، ص: ۲۴۔

# آہ! تاجورامارات قلم

از: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

وہ چراغ جس سے علم وتحقیق اور فکر وفن کی صدہا انجمنیں نور بار تھیں، اچانک خاموش ہوگیا۔ یعنی حضرت مسعود ملت، پروفیسر، ڈاکٹر، علامہ محمد مسعود احمد مظہری جنت مکانی ہوگئے۔

مسعودملت رحمۃ اللہ القدیر علیہ

......۱۴۲۹ھ......

مسعودملت: وہ ایاغ، جو علم وتحقیق کے بلانوشوں کی تشنگی کا سامان تھا۔

مسعودملت: صرف راہِ رضویات کے مسافروں کے رہبرورہنما اور شہرستان رضویات کے منارۂ نور ہی نہیں تھے، وہ حضرت امام ربّانی کی عقیدت و الفت سے بھی نوربار تھے، یعنی وہ ''نور محبت مجدد الف ثانی'' (۱۴۲۹ھ) تھے۔ وہ ''رندخم کدۂ نقشبند'' (۱۴۲۹ھ) بھی تھے اور مجددی، نقشبندی میخانہ کے ساقی بھی تھے۔ وہ خواجہ تاشان مجددیت ونقش بندیت کو سرہندی نقش نہری جام مئے عقیدت والفت سے سرشار بھی کرتے تھے۔

مسعودملت: ماہرِ رضویات بھی تھے اور ماہرِ مجددیات بھی تھے۔ وہ سرکار بریلی کے بھی والہ وشیدا تھے اور ان کے نام اور کام کو عام کرنے میں انہوں نے اپنی زندگی کے تقریباً تیس سال صرف کر دیئے۔

مسعودملت خوش خصال وشیریں مقال، خلوص وشرافت کے جلوۂ جمال، نگارخانۂ نثر کے مصور باکمال، تصلب دینی کے جاہ وجلال اور علم وفضل وفن وادب سے مالا مال اور نہال تھے۔

مسعودملت: قرطاس وقلم کے دل کے قرار، گلستانِ ادب کی بہار، تحقیق و تدقیق کے وقار، علم وقلم کے سرمایۂ افتخار اور سچائی واچھائی کے معیار تھے۔

مسعودملت کے علمی وتحقیقی کمال، ان کے نام اور کام کی مدارس و جامعات اور دانشکدوں و یونیورسٹیوں میں دھوم تھی۔ ظاہر ہے ایسی نام آور شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں! البتہ لائق غور وفکر ضرور ہے۔ مسعود ملت کی شخصیت کی ہمہ جہتی کا عجیب عالم ہے۔ حجاب اٹھایئے تو جانے کتنے پردے نظر آئیں گے اور ہر ہر پردہ میں بھانت بھانت کے جلوے!

یوں تو مسعود ملت کی حیات وشخصیت اور علمی، ادبی، دینی تقدیسی کارناموں پر برصغیر اور دیگر ممالک کے مشاہیر قلمکاروں نے مقالات ومضامین اور کتب ورسائل بھی لکھے ہیں، ان پر تاثرات پیش کئے ہیں، ان کی مدح میں قصائد ومناقب لکھے ہیں۔ خود راقم کی دو کتابیں بھی ان کے تعلق سے ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے شائع کی ہیں:

۱) نثر اردو اور پروفیسر مسعود احمد

۲) مسعودملت اور امام احمد رضا

......۱۹۹۳ء......

حضرت مسعود ملت نے اپنے سفر نگارش کا آغاز ۱۹۵۱ء میں کیا۔ آپ نے اسلامی تعلیمات پر مبنی ایک انگریزی کتاب "Islam at the crossroads" کے چند ابواب کا ترجمہ کیا جس کا عنوان تھا ''اسلام دوراہے پر''۔ جب قلم رواں ہوا تو حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ پر پہلا مضمون ''نقطۂ کمال'' لکھا۔

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا
سب سے پہلے تیرا نام لکھا تھا

یہ مضمون ۱۹۵۷ء میں ''معمار حرم'' لاہور میں شائع ہوا۔

پی۔ ایچ۔ ڈی:

حضرت مسعودملت نے پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نگرانی میں بعنوان ''اردو میں قرانی تراجم وتفاسیر۔ ایک تاریخی جائزہ'' سندھ یونیورسٹی، جامشورو، حیدرآباد (پاکستان) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

حضرت مسعود ملت نے فقہ، حدیث، قرآنیات، دینیات و اسلامیات، ادبیات، لسانیات، عمرانیات، معاشیات، تصوف، حکمت وفلسفہ، متنوع شخصیات، رضویات اور مجددیات پر پچاسیوں کتب و رسائل اور صدہا مضامین و مقالات لکھے۔

حال ہی میں حضرت مجدد الف ثانی رضی المولیٰ عنہ کی حیات و شخصیت اور تقدیسی کارناموں پر پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل گرانقدر تصنیف پیش فرمائی جوشائع بھی ہوچکی ہے اور حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی پر یہ تصنیف ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت کی حامل ہے۔ مسعود ملت نے کثیر تعداد میں تقدیمات وتقریظات بھی لکھے ہیں۔

### قرآنیات پر چند تصانیف:

۱) اردو میں قرآنی تراجم وتفاسیر ۲) آخری پیغام

۳) قیامت ۴) تعظیم وتوقیر وغیرہ

مقالات ان کے علاوہ ہیں۔

### سیرت نبوی پر چند تصانیف:

سراج منیر، محبت کی نشانی، جشنِ بہاراں، جانِ جاناں، جان ایمان، رحمۃ اللعالمین، دعائے خلیل، علم غیب، عشق ہی عشق وغیرہ۔

### مجددیات پر چند تصانیف:

سیرت مجدد الف ثانی، حضرت مجدد الف ثانی، حالات وافکار حضرت مجدد الف ثانی، حالات وخدمات۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ نے بھانت بھانت کے موضوعات پر لکھا ہے۔ ان سب کے جائزے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ راقم نے انہیں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی تحریروں کو "نگارخانہ نثر" لکھا ہے۔ گو حضرت مسعود ملت نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، صفحات قرطاس پر علم وادب وتحقیق اور فکر ونظر کو موتی لٹائے ہیں لیکن انہیں شہرت "رضویات" پر کام کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی اور اسی لئے وہ "ماہر رضویات" کہے جاتے تھے اور آج بھی وہ اسی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں اور ان کا یہ لقب مسلم ہے۔

"محقق زمن۔ ماہر رضویات"

......۲۰۰۸ء......

### مسعود ملت اور رضویات:

مسعود ملت نے امام احمد رضا پر ۱۹۷۰ء سے لکھنے اور تحقیقی کام کا آغاز کیا۔ تقریباً تیس، بتیس سال تک آپ نے فروغ رضویات میں اپنا اہم وعظیم کردار ادا کیا۔ آپ نے امام احمد رضا پر چالیس کے قریب کتب ورسائل اور ایک سو سے زیادہ مقالات قلمبند فرمائے ہیں۔ چند تصانیف ومقالات کے اسماء قابل ذکر ہیں:

۱) فاضل بریلوی اور ترک موالات

۲) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں

۳) حیات فاضل بریلوی

۴) مولانا احمد رضا خاں بریلوی ۵) حیات امام اہل سنت

۶) حیات امام احمد رضا بریلوی ۷) محدث بریلوی

۸) گناہ بے گناہی ۹) اجالا

۱۰) رہبر ورہنما ۱۱) سرتاج الفقہاء

۱۲) غریبوں کے غمخوار ۱۳) گویا دبستان کھل گیا

۱۴) امام احمد رضا اور عالمی جامعات......وغیرہ

### چند مقالات برائے انسائیکلو پیڈیا:

۱) رضا بریلوی برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد دہم، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۵ء

۲) رضا بریلوی برائے شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا

۳) احمد رضا برائے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ۱۹۸۲ء

۴) احمد رضا خاں برائے انسائیکلو پیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن ۱۹۹۵ء، تہران (ایران)

۵) احمد رضا خاں برائے مجمع الملکی بحوث الحضارۃ الاسلامیہ ۱۹۹۰ء، عمان (اردن)۔

ان کے علاوہ صرف امام احمد رضا سے متعلق تصانیف و مقالات کے عربی، فارسی، فرنچ، ہندی، بنگلہ وغیرہ میں تراجم کی تعداد ۲۵ سے زیادہ ہے۔ اخبارات و رسائل کے لئے امام احمد رضا پر تقریباً ۱۰۵ر مضامین و مقالات تحریر فرمائے۔

**انگریزی مقالات:**

1) The Neglected Genius of the East

2) Chronical Imam Ahmad Raza

3) The Reformer of Muslim

وغیرہ

۱۹۸۲ء میں مسعود ملت نے امام احمد رضا کا پندرہ جلدوں پر مشتمل سوانحی خاکہ پیش کیا۔ گو اس خاکہ کے کچھ حصہ پر جماعت کے صاحبانِ علم و قلم نے کام کیا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خاکہ پر مکمل طور پر کام کرنے کے لئے علماء اور دانش وروں کی ایک ٹیم تیار کی جائے۔ اگر یہ کام مکمل ہو جائے تو یقیناً امام احمد رضا پر ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ یہ بھی امام احمد رضا پر حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کا اہم کارنامہ ہے۔

**مسعود ملت۔ شہرستان رضویات کا منارۂ نور:**

مسعود ملت بلاشبہ رہروان راہِ رضویات کے رہبر و رہنما اور قافلۂ رضویات کے سالار تھے۔ برصغیر کے علاوہ امریکہ و یورپ کا شاید کوئی ایسا پی ایچ ڈی کا اسکالر ہوگا جس کی مسعود ملت نے رہنمائی نہ کی ہو۔ امام احمد رضا پر ریسرچ ورک کرنے والے یونیورسٹی کے اسکالرز رہے ہوں یا پرائیوٹ سطح پر تحقیقی امور انجام دینے والے فضلاء یا صاحبان قلم رہے ہوں، بیشتر نے مسعود ملت کے مشوروں پر عمل کیا اور ان سے رہنمائی حاصل کی۔

**معاندین رضا میں بوکھلاہٹ:**

کتاب ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کے بعد مسعود ملت نے جب ۱۹۷۳ء میں امام احمد رضا پر دوسری کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' تصنیف فرمائی تو مخالفین رضا اور بد مذاہب بوکھلا اٹھے۔ پروفیسر صاحب موصوف خود لکھتے ہیں:

''پھر جب راقم کی کتاب 'فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں' شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری نے اپنے رسالے 'فاران' کراچی میں ایک طویل مضمون لکھ کر امام احمد رضا کے مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانش وروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لئے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا۔ یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبۂ دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھیوں کو دکھائی۔ انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے۔''

(پیش لفظ۔ البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، ص:۱۴)

۱۹۸۱ء میں کتاب ''گناہ بے گناہی'' لکھ کر مسعود ملت نے مخالفین رضا کے پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کر دیا اور امام احمد رضا کی انگریز دشمنی کو دلائل و شواہد کی روشنی میں ثابت کر دیا۔ اس طرح تاریخ کو غلط موڑ دینے والے عیاران زمانہ کو زبردست تازیانہ لگایا۔

۱۹۸۳ء میں مسعود ملت نے امام احمد رضا کے دینی، تجدیدی، ملی، علمی، سماجی، اصلاحی، ادبی اور سائنسی کارناموں پر جب بہت ہی علمی و تحقیقی اور دل کش و دل نشین پیرائے میں کتاب ''حیات امام اہل سنت'' لکھی تو مخالفین رضا میں بھونچال آ گیا۔ مسعود ملت مخالفین رضا کی بوکھلاہٹ اور مؤرخین کے ظلم و تعصب کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

''ہم دفن کر چکے تھے فلاں پروفیسر نے قبر سے نکالا ہے''۔

جب امام احمد رضا کا اندرون ملک اور بیرون ملک چرچا ہونے لگا اور محققین و دانشوروں کی تیرہ سالہ جدوجہد رنگ لائی، یہ بات امام احمد رضا کے مخالفین کو نہ بھائی۔ وہ فکر میں پڑ گئے کریں تو کیا کریں! ایک فاضل نے یہاں تک فرمایا کہ احمد رضا کو ہم دفن کر چکے تھے فلاں

پروفیسر (پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد) نے قبر سے نکالا ہے۔اب دوبارہ دفن کرنے میں نصف صدی لگے گی۔'' (اجالا، ص: ۴۸)

مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے امام احمد رضا پر قلم اٹھایا تو جمود ٹوٹنے لگا اور عالم یہ ہوا کہ متعدد مقامات پر رضا پر تحقیقی و تحریری امور کی انجام دہی کے لئے ادارے، اکیڈمیاں اور سوسائٹیاں قائم ہونے لگیں، لوگوں کے حوصلے بلند ہونے لگے۔قلمکاروں کی نئی نئی ٹیمیں سامنے آئیں، یونیورسٹیوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لئے رجسٹریشن ہونے لگیں۔آج الحمدللہ امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کرنے والوں کی تعداد چالیس سے اوپر پہنچ چکی ہیں اور ایک درجن سے زیادہ اسکالراب بھی رضا پر ریسرچ ورک میں مصروف ہیں۔

پروفیسر مسعود احمد نے ہند و پاک، بنگلہ دیش، مصر اور دوسرے ایشیائی ممالک کے اسکالروں سے لے کر یورپ و امریکہ کے اسکالروں کو رضا پر ریسرچ ورک کے لئے موڑ دیا۔ہم خواجہ تاشان رضویت خصوصی طور پر پروفیسر مسعود احمد صاحب کے ممنون السان ہیں حضرت مسعود ملت۔لاریب ''ناشر مسلک وفکر رضا'' (۲۰۰۸ء) کا نام ہے۔

مسعود ملت نے امام احمد رضا کے خلاف بدبختوں کی پھیلائی ہوئی پترگی کافور کردی، عیاران زمانہ کی سازشوں کے جال کاٹ دیئے۔انہوں نے اپنے قلم تحقیق رقم سے رضا کے علم و قلم کی دھوم مچادی، رضا کی عبقریت اور حق وصداقت کو اجاگر کر کے طلسم باطل کو توڑ دیا۔

مسعود ملت: امام احمد رضا کے جمال و کمال کے جلووں کا نظارہ کرنے والا آئینہ ہے۔رضا کے عشق و معرفت کے بربط کو مضراب قلم سے چھیڑ کر سرمدی نغمے بکھیرنے والے مطرب کا نام ہے۔

مسعود ملت نے زمانے کو بتادیا۔زمانے پر واضح کردیا کہ اے رضا کی گلی کو سونی کرنے والو، اے رضا کے نام اور کام کو مٹانے والو، رضا خود فرما گئے تھے۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

بھلا عاشق مصطفیٰ کے نام کو کون مٹا سکتا ہے۔وہ رضا کہ رب عظیم نے جس کے قلم میں ایمان نقش فرمادیا ہو اور اپنی طرف کی روح سے مدد فرماتا رہا ہو بھلا اس شیدائے رسول کی مقبولیت کے گرد کون حصار کھڑا کرسکتا ہے۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض ''ناشر مسلک وفکر رضا'' (۲۰۰۸ء)، ''محقق زمن ماہر رضویات'' (۲۰۰۸ء) مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی قبر کو نور سے معمور فرمائے اور رضا کے رضا کاروں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔آمین!

کہاں تک ذکر مسعود کروں۔

یہ ان کا ذکر ہے کوئی داستان نہیں
سحر ہوجائے گی کہتے کہتے

مسعود ملت کی یاد ہمیشہ دلوں میں آباد رہے گی، ان کے کارنامے لالہ و گل کی طرح کھلکھلاتے اور چاند ستاروں کی مانند جگمگاتے رہیں گے۔

## چند مادہ ہائے تاریخ وفات

۱۔محقق زمن ماہر رضویات (۲۰۰۸ء)
۲۔ناشر مسلک وفکر رضا (۲۰۰۸ء)
۳۔نور محبت مجدد الف ثانی (۱۴۲۹ھ)
۴۔رندخم کدۂ نقشبند (۱۴۲۹ھ)
۵۔آہ! تاجور امارات قلم (۱۴۲۹ھ)
۶۔آہ! مصباح خاندان مظہری (۱۴۲۹ھ)
۷۔آہ! چراغ بزم قلم (۱۴۲۹ھ)
۸۔آہ! رخصت جناب مسعود ملت، آہ! (۲۰۰۸ء)
۹۔رحلت پروفیسر مسعود احمد (۱۴۲۹ھ)
۱۰۔مسعود ملت رحمۃ اللہ القدیر علیہ (۱۴۲۹ھ)

علامہ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا المناک سانحۂ ارتحال

# جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
# کہیں سے جامِ بقائے دوام لا ساقی

علامہ محمد حسن علی رضوی بریلوی میلسی

اس دورِ قحط الرجال میں یکے بعد دیگرے متعدد ممتاز اہلِ علم وکمال داغِ مفارقت دے گئے اور جامِ وصالِ حقیقی نوش فرماگئے۔ حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ کا المناک سانحۂ ارتحال ایسا افسوسناک حادثۂ فاجعہ ہے جس کے اثر سے فضائے سنّیت مدتوں مغموم ومتاثر رہے گی۔ حضرت ممدوح وموصوف، مرحوم ومغفور مفتیِ اعظم دہلی حضرت علامہ الحاج الشاہ المفتی محمد مظہر اللہ صاحب شاہی امام جامع مسجد فتح پوری دہلی قدس سرہٗ کے فرزند دلبند تھے جو دہلی میں اہلسنّت کے مشہور وممتاز متند عالم وفقیہ ومفتی ومتقی پرہیزگار عالمِ دین تھے۔ آقائے نعمت امامِ اہلسنّت سیدی حضور محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ نے فقیر کے ایک معروضہ کے جواب میں فرمایا تھا: ''حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب خطیب وامام جامع مسجد فتح پوری دہلی متقی پرہیزگار سنّی عالمِ دین ہیں۔ فقیر کے برسوں سے ان سے قریبی تعلقات ہیں۔ متعدد باران کے ہاں (عید میلادالنبی کے جلسوں میں) آتا جاتا رہا اور پاکستان بننے سے دو سال پہلے حج بھی ایک ساتھ کیا۔'' (ملخصاً) اسی طرح خود حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قدس سرہٗ فقیر کے نام تقریباً اپنے ہر مکتوب گرامی میں فرماتے: ''مولانا سردار احمد صاحب مدظلہ سے فقیر کا سلام عرض کردیں، اتنے کثیر طلباء کا درجۂ حدیث شریف میں فارغ التحصیل ہونا بلاشبہ اُن کی کرامت ہے۔'' (ملخصاً) علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ ایسے عظیم المرتبت والدگرامی کے فرزندارجمند اوران کے فیضِ صحبت سے فیضیاب تھے۔ کذب وافتراء اور دروغ گوئی پر مبنی رسوائے زمانہ ''دھاکہ'' نامی کتاب جب منظر عام پر آئی اور بفضلہٖ تعالیٰ فقیر نے جب اس کا مکمل ومفصل مدلل ومتحقق جامع جواب ''قہر خداوندی'' شائع کیا تو جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کا تحسین وآفرین سے بھرپور مکتوب فقیر کے نام آیا اور اس طرح ان کے مکتوبِ گرامی سے معلوم ہوا کہ وہ حضور مفتی اعظم، دہلی شریف، کے صاحبزادہ صاحب ہیں۔ اس طرح ان سے خط وکتابت کا سلسلہ تادمِ وصال جاری وساری رہا اور وہ فقیر سے ملاقات اور فقیر ان کی زیارت کا مشتاق رہا ہے۔ وہ فقیر سے اپنے والدمحترم قدس سرہٗ کے مکتوبات اور خطوط وغیرہ بھی طلب فرماتے رہے۔ بحیثیت پروفیسر جہاں جہاں تعینات ہوئے، انہوں نے برابر خط وکتابت کا سلسلہ بدستور برقرار رکھا۔

اہم خصوصیات: جناب پروفیسر صاحب کی اہم خصوصیات جو ان کو معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں، وہ نہایت سنجیدہ ومتین، نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ حلیم الطبع و ملنسار تھے۔ غرور، گھمنڈ، علمی زعم نہ رکھتے تھے۔ مطلق العنان نہ تھے انانیت سے دور تھے۔ فقیر اُن سے بہت چھوٹا حقیر وکمترین ہے مگر وہ وسیع النظر وسیع القلب تھے۔ فقیر کا بڑوں کی طرح احترام فرماتے اور بیشتر امور میں مشاورت فرماتے اور فقیر کی حقیر آراء کو قبول فرماتے۔ عجز وانکساری اور خود فراموشی کا یہ عالم تھا کہ فقیر دورۂ کراچی کے موقع پر جس جگہ سکونت پذیر ہوتا وہ کچھ کتابیں اور تحفہ تحائف لے کر وہاں پہنچ جاتے اور یکسوئی سے فقیر کی معروضات سن رہے ہوتے محسوس ہوتا اخذ کر رہے ہیں۔ طبیعت نہایت اخاذ تھی۔ فقیر کی گفتگو سے بہت مسرور ہوتے اور یکسوئی سے سماعت فرماتے اور ایک عظیم وصف جمیل ان کی ذات میں یہ بھی تھا کہ وہ علمی تحقیقی زعم میں اکابر اہلسنت سے اپنی راہیں علیحدہ متعین نہ فرماتے اور خود اپنی ذات پر تنقید فراخدلی اور خندہ پیشانی سے قبول فرماتے اور کبیدہ خاطر نہ ہوتے۔ کم گو تھے جب بولتے نہایت متانت کے ساتھ سنجیدہ گفتگو فرماتے۔ اکابر کرام بالخصوص تحقیقات ومسلک اور فتاوٰی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے ہرگز اختلاف نہ فرماتے۔ جیسا کہ آج کل بعض عناصر عموم بلویٰ، تغیرات زمانہ اور اسباب ستہ کا بے محل اطلاق کر کے مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف کی راہیں تلاش کرتے ہیں اور اپنے مریدوں شاگردوں کی خود ساختہ مجلس شرعی کا فیصلہ اکابر کے مقابلہ میں نافذ کرنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ فقیر کے پاس ان کے عظیم المرتبت والد گرامی مفتی اعظم دہلی علامہ مفتی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بہت سے خطوط وفتاوٰی ہیں۔ تحقیقات اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے۔ ''تحقیقات ومسلک اعلیٰ حضرت کے بارے میں کس کا زہرہ ہے کہ جرأت لب کشائی کر سکے۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ پروفیسر رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ مغفرت ذنب اور ترجمۂ کنز الایمان، لاؤڈ اسپیکر نماز کے عدم جواز وموؤی ٹی وی، نفلی نمازوں کی جماعت کے عدم جواز مسئلہ رویت ہلال وغیرہ امور ومسائل میں حامیان مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی دل کھول کر بے دریغ حمایت فرمائی۔ یہ ان کی کسر نفسی اور حقیقت پسندی تھی کہ جب ان کے بعض عقیدت مندوں نے حضرت ممدوح موصوف کو مجدد لکھنا شروع کیا تو فقیر نے ایک عریضہ میں عرض کیا کہ حضرت! اس وقت اہلسنّت کے حلقۂ طریقت میں ۹ بزرگوں کو ان کے مریدین مجدد قرار دے رہے ہیں اور گیارہ حضرات کو پاک وہند میں امیر اہلسنّت بنایا جارہا ہے کوئی بھی شخص اپنے مریدوں شاگردوں کے بل بوتے پر مجدد اور امیر اہلسنّت قرار نہیں دیا جاتا۔ حضرت علامہ پروفیسر صاحب نے بڑی وسعت نظر اور وسیع قلبی سے دوبار تحریر فرمایا: ''میں ہرگز مجدد وغیرہ نہیں ہوں یہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دین کی تھوڑی بہت خدمت لے رہا ہے میرے لئے یہی کافی ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے کرم سے مغفرت فرما دے۔'' الخ ایک بار بعض حضرات نے یہ شکایت کی کہ حضرت پروفیسر صاحب گستاخانہ کفریہ عبارت پر تکفیر نہیں کرتے اور فتاوٰی مبارکہ حسام الحرمین کی تائید وتصدیق نہیں فرماتے۔ فقیر کی تحریک پر انہوں نے غیر مبہم واضح انداز میں

حسام الحرمین کی تائید و تصدیق فرمائی اور ماہنامہ معارف رضا کراچی میں اس کو شائع کرایا۔ وہ اہل سنت کے باہمی انتشار و خلفشار کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ نہ کبھی وہ سیاست میں آئے نہ گروپ بندی میں شامل ہوئے جب مولانا محمد الیاس صاحب کے نام فقیر کی ''مدنی التجا'' ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں چھپی تو پاک و ہند کے پانچ سو سے زائد علماء اہل سنت نے فقیر کے مقالہ پر تائید و حمایت اور تحسین فرمائی۔ لیکن چند افراد کو یہ مخلصانہ مدنی التجا ناگوار بھی ہوئی اور ناحق کی محاذ آرائی و بے مقصد قلمکاری شروع کردی۔ حضرت محترم پروفیسر صاحب نے فقیر کو اپنے مکتوب میں فرمایا کہ مجھے مولانا الیاس صاحب نے کئی بار کہا ہے کہ علماء اہلسنت کو جن جن مسائل میں شکایت ہے میں رجوع کر لیتا ہوں حضرت علامہ پروفیسر صاحب نے مجھ فقیر کو تحریر کیا کہ آپ اپنی تحریر بھیج دیں میں فیضان مدینہ کراچی جاکر مولانا الیاس صاحب سے مل لیتا ہوں۔ فقیر نے صرف یہ تحریر کیا کہ تحقیقات و مسلک اعلیٰ حضرت اور خلفاء و شہزادگان اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ پر پہلے کی طرح عمل کیا جائے۔ فقیر اپنی کسی تحقیق و فتاویٰ پر عمل نہیں کرانا چاہتا۔ کم و بیش دو تین ماہ کے بعد پروفیسر صاحب کا جواب آیا کہ ادھر سے کوئی مثبت جواب نہیں آیا اس لئے پیش رفت نہیں ہوسکی۔ اور ایک دوسرے مکتوب میں فرمایا: ''دعوت اسلامی کی اصلاح ضروری ہے اور یہی اخلاص ہے''۔ ملخصاً۔ اسی طرح جب ان سے پیر کرم شاہ ازہری کے متعلق ملک کے اطراف سے سوالات ہوئے تو انہوں نے فقیر سے رجوع فرمایا اور پھر دوسرے مکتوب میں فقیر کے مؤقف کی تائید فرمائی۔ اسی طرح عصر حاضر کے عظیم فتنہ طاہر یہ منہاجیہ سے متعلق فقیر کے موقف کی قلمی تحریری تائید فرمائی۔ وہ اس میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ گاہے گاہے وہ مختلف کتب کے حوالہ جات بھی طلب فرماتے اور ایک سے زائد حوالہ جات پاکر مسرور ہوتے۔ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے صف اول کے ممتاز مصنف اور کامیاب قلمکار تھے۔ انہوں نے سیدنا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر ہر جہت سے بہت کچھ لکھا اور بہت خوب لکھا اور ماہر رضویات کہلائے۔ سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ پر انہوں نے بے مثال کام کیا اور حق ادا کردیا۔ تین بار اُن کے دولت کدہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے کمال اپنائیت سے دیدہ و دل فرش راہ کیا اور بہت ہی زیادہ پر تکلف ضیافتیں فرمائیں۔ اور سنی رضوی جامع مسجد میلسی کی تعمیر کے لئے عظیم و خطیر رقوم عطا فرمائیں۔ وہ دنیا سے ایمان کا اعلیٰ درجہ لے کر گئے۔ حضرت ممدوح کی اچانک رحلت ایک عظیم سانحہ اور المناک حادثہ ہے ان کی عظیم و جلیل دینی خدمات مدت العمر بے لوث اور ریا و نمود سے پاک رہیں۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت ممدوح کو اجر عظیم اور جزاء جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

............ ××× ............

# پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں کے چراغ

از: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی*

حضرت محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ ایک معلّم، مفکّر اور دینی اسکالر تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے ہزاروں اہل علم وفضل کو متاثر کیا اور لاکھوں ارباب علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ وہ علمی دنیا میں آفتاب بن کر چمکے اور مسلکی شاہراہوں میں خضر راہ بن کر رہے۔ ہم ان کے علم وکمال کے خرمنوں کے خوشہ چیں رہے ہیں اور ان کے گلستانِ علم وادب کی گل چینی کرتے رہے ہیں۔

وہ جب تک اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے گلستانوں میں رہے تو ''ماہرِ رضویات'' کہلائے۔ وہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے نظریات کے ترجمان بن کر آئے تو ''جہان امام ربانی کے روشن چراغ'' بن کر رہے۔ پھر زندگی کی طویل راہوں میں ان کے شاہسوارِ قلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ہمارے دل ودماغ میں ان کے یادوں کے چراغ جگمگاتے رہیں گے۔

غالبًا یہ ۱۹۷۰ء کا زمانہ تھا جب وہ لاہور تشریف لائے۔ انہوں نے پی ایچ ڈی کا مقالہ اپنے دستخطوں سے مزیّن کر کے عطا فرمایا۔ یہ قرآن پر پی ایچ ڈی کا معلوماتی مقالہ تھا۔ جو خوبصورت تحریر میں کتابی انداز میں سامنے آیا اور یہ مقالہ ہمارے لیے وجہ تعارف بنا۔ ان دنوں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مجدّد مائۃ حاضرہ کے افکار ونظریات کو علمی دنیا میں پھیلانے میں مصروف تھے۔ انہوں نے حضرت علامہ محمد مسعود احمد کی تحریریں دیکھیں تو بڑے متاثر ہوئے۔ ان کے طرزِ تحریر کو پسند کیا اور انداز تحریر دیکھ کر جھوم اٹھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ کوئی صاحب قلم اعلیٰ حضرت محدّث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعارفی ٹیم میں شامل ہو کر اہل علم کی راہنمائی کرے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے آپ کی توجہ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کی طرف مبذول کرائی اور انہیں آمادہ کیا کہ اگر آپ فاضل بریلوی کے افکار کو اپنے انداز میں سامنے لائیں تو علمی دنیا میں بہار آجائے گی۔ پروفیسر محمد مسعود احمد ایک استاد تھے۔ ایک کالج کے پروفیسر تھے۔ سرکاری ملازم تھے۔ طلباء کے جمگھٹوں میں شب وروز بسر کر رہے تھے۔ بھلا ایک پروفیسر مولویوں کے حلقہ میں کیسا لگے گا۔ مگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے انہیں اعلیٰ حضرت پر لٹریچر دیا۔ کتابیں مہیا کیں۔ ''مرکزی مجلس رضا'' کے مقاصد پر گفتگو کی۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب آگے بڑھے اور دنیائے رضویت میں آہستہ آہستہ قدم رکھا۔ آپ نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی علمی، اعتقادی، فقہی اور مسلکی تحریروں کے ساتھ ساتھ آپ کی سیاسی خدمات اور نظریات پر قلم اٹھایا۔ جب ان کی پہلی کتاب سامنے آئی۔ اور ''مرکزی مجلس رضا'' کے حلقوں میں ایک نیا انداز سامنے آیا۔ تو ہر صاحب علم نے اسے سراہا بلکہ لفظ لفظ کا مطالعہ کیا اور پروفیسر مسعود احمد کے سامنے تحسین و تبریک کے پھول برسنے لگے۔ حضرت پروفیسر مزید آگے

* ایڈیٹر جہان رضا، لاہور۔

بڑھے ان کی تازہ بتازہ تحریریں چھپنے لگیں اور ''مرکزی مجلس رضا'' کئی کئی ایڈیشن چھپوا کر دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے لگی۔ تو چمنستان رضویت میں بہار آ گئی۔

اعلیٰ حضرت کے دوسرے علوم پر مرکزی مجلس رضا نے بڑی کتابیں شائع کیں اور تقسیم کیں۔ مگر پروفیسر محمد مسعود احمد کی تحریروں کا ایک خاص رخ تھا اور ایک خاص انداز تھا۔ آپ کی تحریریں پاکستان کی سرحدوں سے نکل کر جب ہندوستان کے علماء کرام تک پہنچیں تو یوں محسوس ہوا۔

گویا دبستاں کھل گیا!

ہم ان دنوں مرکزی مجلس رضا کے حاشیہ نشینوں میں تھے۔ جو کتاب آتی پڑھتے دل خوش ہو جاتا۔ مگر پروفیسر صاحب کی تحریریں سامنے آئیں تو

دل و جان وجد کناں جھک گئے بہر تعظیم!

جب پروفیسر مسعود احمد لاہور آتے تو ہم ان کا دامن پکڑ کر ہر مجلس، ہر محفل اور ہر علمی ادارے میں چلے جاتے۔ ہمیں یاد ہے کہ ایک بار حضرت لاہور آئے فرمانے لگے: آج میں لاہور کے ان ناشرین کتب کو ملنا چاہتا ہوں، جو اعلیٰ حضرت کی کتابیں شائع کرتے ہیں۔ جناب پروفیسر کا یہ انداز ایک تو اعلیٰ حضرت کی کتابیں چھاپنے والوں کی قدر افزائی تھا دوسرے یہ دیکھنا تھا کہ یہ لوگ کس انداز سے کام کر رہے ہیں۔ میں حضرت کا ہم کاب تھا اور اعلیٰ حضرت کی کئی کتابوں کا ناشر بھی تھا۔ سب سے پہلے آپ ''مکتبہ نبویہ'' میں تشریف لائے ہماری اشاعتی خدمات کی بے حد تعریف کی۔ بڑا حوصلہ دیا۔ ایک ایک کتاب کو دیکھا اور اس پر اپنے تاثرات دیئے۔ اس طرح حضرت لاہور کے ان تمام ناشرین کے پاس خود چل کر گئے اور ایک ایک کو ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ حتیٰ کہ کسی نے اعلیٰ حضرت پر ایک رسالہ بھی چھاپا تو اس کو بھی ملے۔ عام علماء کی روش سے ہٹ کر پروفیسر مرحوم کا یہ انداز تھا جس سے دنیائے رضویت کے ناشرین خوش ہو گئے کہ اتنا بڑا اسکالر خود چل کر ہماری حوصلہ افزائی کے لیے آیا۔ میں نے کسی مولوی، عالم، پیر، واعظ، رضوی اور سنی کو نہیں دیکھا کہ وہ امام اہلسنت محدث بریلوی کی عقیدت کو عام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے چل کر گیا ہو اور ایک لفظ بھی زباں سے نکالا ہو کہ تم نے یہ اچھا کام کیا ہے۔

تحریری دنیا کے ساتھ ساتھ حضرت پروفیسر رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے مختلف کالجوں میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے تو آپ کے شاگرد، رفقائے کار حتیٰ کہ کالجوں کے پرنسپل بھی اعلیٰ حضرت کی تعلیمات سے متعارف ہوتے جاتے۔ اس طرح آپ نے سندھ کے دور دراز علاقوں میں اعلیٰ حضرت کے افکار سے ہزاروں لوگوں کو حصہ عطا فرمایا۔ سکھر، سکرنڈ، ٹھٹھہ، میرپور جیسے کالجوں میں پہنچے۔ سندھ کے دور دراز صحرا میں ایک شہر مٹھی ہے۔ وہاں کالج تھا، مگر اساتذہ اس ریگ زار میں جانے سے گھبراتے تھے۔ جنہیں وہاں بھیجا جاتا وہ بیماری کی چھٹی لے کر گھر آ بیٹھتے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد کو مٹھی کالج کا پرنسپل بنا کر جانے کے لیے آرڈر دیئے گئے۔ ان دنوں مٹھی جانے کے لیے چھوٹی ٹرین ہفتے میں ایک دن جاتی تھی۔ پھر صحرا کا سفر بعض اوقات اونٹوں پر سوار ہو کر طے کرنا پڑتا تھا۔ لق و دق صحرا میں مٹھی کالج زندگی کی آسائشوں سے محروم تھا۔ مجھے پروفیسر مرحوم نے اس کالج تک آنے جانے اور اپنی رہائش کی صورت حال خود بیان کیں تو میں تڑپ اٹھا کہ ایک ماہر رضویات، ایک عالم

دین، ایک روحانی راہنما سندھ کے لق و دق صحرا میں جائے گا اور نوکری کرے گا۔

ان دنوں سندھ کے گورنر میر رسول بخش خاں تالپور تھے۔ وہ میرے نہ صرف مہربان تھے، قدر دان بھی تھے۔ ان کے بڑے بھائی میر علی احمد خاں تالپور بھی میرے کرم فرما تھے۔ میں نے پروفیسر صاحب کو کہا کہ میں ابھی کراچی آ رہا ہوں اور گورنر سندھ سے آپ کے آرڈر منسوخ کرواتا ہوں۔ ''کون ہیں یہ لوگ جو آپ کو ''مٹھی'' جانے والے اونٹوں پر بٹھا رہے ہیں''۔ پروفیسر محمد مسعود احمد نے میرے جذبات کو سنا۔ میرے تعلقات کی تصدیق کی۔ مگر فرمانے لگے فاروقی صاحب جہاں کوئی استاد نہیں جاتا میں ہاں جانا چاہتا ہوں۔ جن بچوں کو کوئی نہیں پڑھاتا انہیں میں پڑھاؤں گا۔ میں آپ کے سامنے چپ ہوگیا اور جناب پروفیسر صاحب کراچی کی روشنیوں کو چھوڑ کر سندھ کے تپتے ہوئے صحرا میں مٹھی کالج جا پہنچے۔

آپ کا مٹھی جانا کیا ہوا گویا صحرا میں بہاریں آ گئیں۔ تمام اساتذہ کو اپنی ڈیوٹی پر بلایا گیا۔ تمام طلبا کو گھر گھر سے طلب کیا گیا۔ تمام اسٹاف اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے، نمازیں باجماعت ادا ہونے لگیں۔ اساتذہ اپنے پرنسپل کی شفقت کے گھنے سایوں میں بیٹھنے لگے صحرائی بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہونے لگے۔ سب سے بڑھ کر اعلیٰ حضرت کی تعلیمات سے ہر ایک کو حصہ ملنے لگا۔ آپ کے قیام کے زمانہ کو مٹھی کے لوگ آج تک یاد کرتے ہیں۔

آپ کیا آئے کہ مٹھی میں بہاریں آ گئیں

جن دنوں مجھے ''مرکزی مجلس رضا'' کا نگران بنایا گیا تو مجھ پر اللہ عزوجل کی رحمت کے دروازے کھل گئے۔ ماہنامہ ''جہانِ رضا'' میری ادارت میں نکلنے لگا۔ تو ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب میری تحریر کو خصوصیت سے پڑھتے خوش ہوتے۔ ''جہان رضا'' میں ان کے مضامین چھپتے تو جہان رضا کے قارئین بڑی دلچسپی سے پڑھتے۔ جہان رضا میں خطوط چھپتے تو ان میں ڈاکٹر صاحب کے خطوط خصوصی طور پر چھپتے، ان میں دنیائے رضویت میں ہونے والے علمی کاموں کی نشاندہی ہوتی۔ پھر اعلیٰ حضرت کے متعلق دنیا و جہاں کی بے شمار خبریں ہوتیں جنہیں جہان رضا کے قارئین دلچسپی سے پڑھتے۔ اعلیٰ حضرت کی برکات اور جہان رضا کی علمی خدمات کی وجہ سے مجھے ہر سال دیارِ حبیب میں حاضری کا موقع ملتا۔ حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی دیار حبیب میں ملتے تو بڑی محبتوں سے نوازتے۔ بعض خصوصی مجالس میں لے جاتے۔ بعض علمائے کرام سے ملاتے اور تعارف کراتے۔ میری خدمات کا ذکر کرتے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کی بات کرتے تو دل و جان خوش ہو جاتے۔ ہم قطب مدینہ سیدی ضیاء الدین قادری رضوی قدس سرہ کے خادم حکیم محمد عارف ضیائی زید مجدہ کی مجالس میں اکثر اکھٹے بیٹھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے افکار و نظریات پر جناب پروفیسر علیہ الرحمۃ کی تحریریں بڑی مقبول ہوئیں۔ خصوصاً جب آپ کی ''دو قومی نظریہ''، تحریک ترک موالات''، ''کانگریسی علماء کی وطن دشمنی'' پر کتابیں سامنے آئیں تو ملک کے سیاست دانوں نے بھی اعلیٰ حضرت کے سیاسی نظریات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور محسوس کیا کہ پاکستان سے نصف صدی قبل بریلی کا ایک عالم بھی دو قومی نظریہ پیش کر رہا ہے۔ ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی تحریر پاک و ہند کے علاوہ عالم اسلام میں پہنچی تو اہل علم حضرات مرکزی مجلس رضا لاہور کی خدمات کو سراہنے لگے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اعلیٰ

حضرت کے افکار و نظریات کو پھیلانے والی ''مرکزی مجلس رضا'' کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم چشتی نظامی تھے۔ مگر ایک قادری عالم دین کی کتابوں کی اشاعت میں مصروف رہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ ایک مجددی بزرگ تھے۔ مگر بریلی کے ایک قادری بزرگ پر کتابیں لکھتے رہے۔ حضرت پروفیسر رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت پر پندرہ جلدوں میں ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے اور اس کا ایک خاکہ بھی تیار کیا۔ اسے چھپوا کر تقسیم کیا۔ مگر انہیں وہ ٹیم نہیں مل سکی جو اس خاکہ کے نقوش میں رنگ بھرتی۔

حضرت مسعود احمد مظہری نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے شہنشاہ سرہند حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر کام کرنا شروع کیا تو اس سلسلہ میں کئی سال مسلسل کام کیا اور پندرہ مجلدات میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے علوم و معارف پر ''جہان امام ربانی'' مرتب کرایا۔ زیور طباعت سے آراستہ کیا اور اہل علم و فضل میں تقسیم کیا۔ آپ کا یہ بڑا کارنامہ ہے برصغیر کا کوئی مجددی یا نقشبندی وہ کام نہیں کرسکا جو حضرت مسعود مظہری نے کیا۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کی طرح آپ نے ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کی سرپرستی فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بڑے شاندار مقالے لکھے۔ جو ''معارف رضا'' کے مخصوص شماروں میں چھپے ان مقالات نے دنیائے رضویت میں افکار رضا کو پھیلایا اور آپ کی تحریریں دور دور تک پہنچیں۔ ان تحریروں نے آپ کو ''ماہر رضویات'' کے خطاب سے مشہور کردیا۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے علمائے کرام نے آپ کی تحریروں کو بڑا پسند کیا حضرت کی علمی خدمات پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھے گئے۔ آپ کو ہندوستان کے مختلف شہروں میں بلا کر آپ کے اعزاز میں استقبالیے دیے جاتے۔ دہلی، بریلی، ممبئی، مبارک پور، اعظم گڑھ، علی گڑھ، اجمیر شریف کے علماء کرام نے آپ کو دعوت خطاب دے کر بڑا اعزاز دیا۔ ہندوستان کے علماء اہل سنت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری کی علمی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دہلی میں ان کے والد گرامی کا دار الارشاد شاہجہانی مسجد فتحپوری میں ایک صدی سے کام کررہا ہے۔ جہاں ان کے عزیز بھتیجے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مکرم احمد مجددی خطیب بھی ہیں اور سلسلۂ مجددیہ کے پیر طریقت بھی۔ پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری پاکستان میں رہتے ہوئے اس ''دار الارشاد'' کے رکن ہیں اور اس مرکز کی آبیاری میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ لاہور تشریف لائے تو صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری سجادہ نشین دربار شیر ربانی نے آپ کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔ جس میں لاہور کے اسکالرز کو بھی دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں مجددی نقشبندی حضرات کی اکثریت تھی۔ راقم نے اس استقبالیہ میں صاحبزادہ جمیل احمد شرقپوری اور ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی مظہری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ آپ کی علمی اور فکری خدمات پر تفصیلی گفتگو کی۔ آپ کی کوششوں کو ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ جس پر آپ بہت خوش ہوئے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ حضرت سے آخری ملاقات ہے۔ آخری مجلس ہے۔ آخری گفتگو ہے اور آخری زیارت ہے۔

روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

............ xxx ............

# مسعودملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ۔فکرِ رضا کے حقیقی ترجمان

تحریر: علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

علمی، دینی، روحانی اور ادبی دنیا کا ماہ تاباں، تقویٰ، اخلاص اور اعمال صالحہ کا مہر درخشاں ''مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی روشن اور تابناک زندگی کے اٹھتر سال مکمل کر کے ۲۸/اپریل بروز پیر اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علم کے اعتبار سے ممتاز عالم دین، اخلاق عالیہ کے حوالے سے صوفی باصفا، ادبی تحریرات کی نسبت سے ادیب شہیر، محبت رسول ﷺ کے رنگ میں رنگی ہوئی تصانیف کی روشنی میں عظیم عاشق رسول، مصنف دوقومی نظریہ کے علمبردار حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہما اللہ کی مساعیٔ جمیلہ کو تعصب کے دبیز پردوں سے نکال کر ملت اسلامیہ کو حقائق سے روشناس کرنے والے محقق، دھیمے مزاج، پرمغز گفتگو، اتباع و اطاعت رسول اور اصلاحِ خلق ایسی صفات محمودہ کی حامل شخصیت کو دنیا مسعود ملت کے نام سے جانتی ہے۔ جو اپنے تعارف کے لئے ملاقات کے محتاج نہ تھے۔ بلکہ ان کی پرمغز اور حکمت بھری تحریرات نے انہیں زبانِ زد عام و خاص کر دیا۔ اور وہ شہرہ آفاق شخصیت کے مالک بن گئے۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی زندگی کا ہر پہلو درخشاں اور قابل تقلید ہے۔ تصوف کی دنیا میں قدم رکھنے والا، قدیم و جدید علوم کے دامن سے وابستگی کا متمنی، قرطاس و قلم سے اپنا رشتہ استوار کرنے کا خواہاں، تحقیق و جستجو کے بحر بے کراں میں غوطہ زن ہونے والا کوئی بھی شخص اس مرد قلندر کی راہنمائی سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے زندگی کا اکثر حصہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی فضا میں گزارا لیکن بقول شاعرِ مشرق۔

خیرہ نہ کر سکی مجھے جلوۂ دانش و فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ میں خاک مدینہ و نجف

حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے فرنگی تہذیب سے ہمیشہ اپنے دامن کو بچا کر رکھا اور ان کی زیارت کرنے والا یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ کسی کالج کے پرنسپل ہیں، محکمۂ تعلیم میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے ہیں بلکہ اپنی وضع قطع اور اپنی طرز حیات سے ہمیشہ ایک صوفی اور شریعت و طریقت کی جامع شخصیت نظر آتے تھے۔

یوں تو ان کی حیات مستعار کا ہر لمحہ فروغ علم، خدمت دین اور اصلاح خلق کا آئینہ دار ہے لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کا صحیح تعارف پیش کرنا ہے جس کی اصابت رائے پر مبنی سیاست نے برصغیر کے مسلمانوں کو تحریک پاکستان کی جدوجہد کی راہ دکھائی اور جس کے عشق رسول ﷺ نے گستاخان رسول کے مکروہ چہروں سے شرافت و نجابت کے جھوٹے پردوں کو چاک کر کے ملت اسلامیہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ جبہ و دستار کے یہ حاملین در حقیقت دشمنانِ اسلام کے ایجنٹ اور آلۂ کار ہیں۔

عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کو ہر شخص نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور ان کے حقیقی مقام کو منصۂ شہود پر نہ آنے دیا لیکن حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کا صحیح تعارف پیش کر کے امت مسلمہ کے معتدل مزاج اور حقیقت شناس افراد کو مخالفین کے زہریلے اور جھوٹے پروپیگنڈے اور ناعاقبت اندیش معتقدین کی ہلاکت آمیز جذباتیات کے ضرر رساں نتائج کے دلدل سے نکالا اور آج دنیائے اسلام حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو ایک بہت بڑے فقیہ، وقت کے نباض اعظم، صائب الرائے سیاستدان اور قافلہ سالار عشق رسالت کے طور پر جانتی ہے۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے جس حکمت عملی، دانائی اور قلمی دیانت کا دامن تھام کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا تعارف کرایا، ان کا یہ کارنامہ ان کی انفرادیت اور امتیاز کی بیّن دلیل ہے۔

مخالفین اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کی علمی و دینی خدمات کو اپنی خیانت کے دبیز پردوں میں چھپا کر آپ کو محض کافر ساز قرار دینے کی مذموم سعی کو وطیرہ بنایا اور اپنوں کی دانشمندی سے عاری گفتگو اور خطابات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی عزت و ناموس کے امین اور بے مثال محافظ کے دینی و ملی کاموں کا اجاگر کرنے کے لئے حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ جیسی شخصیت کا انتخاب فرمایا اور اگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے جذبات و احساسات کو کچھ تصرف کے ساتھ حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی ذات والاصفات کے ساتھ منطبق کرتے ہوئے یوں کہا جائے ۔

وہ ہند میں سرمایۂ رضویت کا نگہبان

تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ اپنی اس عظیم کاوش کے آغاز کے بارے میں فرماتے ہیں:

''محسنین اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ عبد الحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہما الرحمۃ کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات وکلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشوروں کو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام سے واقفیت نہ تھی بلکہ ان اداروں میں امام احمد رضا کا ذکر وفکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا۔ لیکن جب ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا کے حالات اور علمی خدمات پر تحقیق شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ راقم جیسے ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچ گیا جو نہ معلوم کب تک زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا۔

۱۹۷۰ء سے اب تک (۱۹۸۹ء کو) ۱۹ سال گزر چکے ہیں یہ خزانہ برابر نکلے چلا آرہا ہے اور نہ جانے کب تک نکلتا رہے گا۔ اس خزانے کے علمی جواہرت جب بازار عالم میں جوہر شناسوں کے سامنے پیش کئے گئے تو ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہونے لگیں جہاں سناٹے اور ھُو کا عالم تھا وہاں ایسی چھل پہل ہوگئی کہ آبادیاں رشک کرنے لگیں۔ اس مہم میں پاک و ہند اور بیرونی ممالک کی بہت سی شخصیات اور اداروں نے حصہ لیا۔ جس کی ایک طویل فہرست ہے یہ سب اہل علم شکریہ کے مستحق ہیں''۔

(حرف آغاز گویا دبستان کھل گیا، ص:۱، بحوالہ تذکار مسعود ملت ص۷۹،۸۰)

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے جب حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ کو منظر عام پر لانے کی مساعی کا آغاز کیا اور ان مساعی کو حکمت و توانائی کے لباس میں ملبوس کیا تو مخالفین اعلیٰ حضرت کے لئے یہ بات قطعاً قابل قبول نہ تھی کیونکہ ان لوگوں نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ اہل سنت و جماعت کو دین کے نام پر ایسے کاموں میں مصروف رکھا جائے جس سے معاشرے کے ارباب دانش اور سنجیدہ طبقہ کے ہاں ان کو پذیرائی حاصل نہ ہو مثلاً علمی خطابات کی بجائے بے مقصد اور علم سے عاری دھواں دار تقریریں جو نہ صرف یہ کہ غیر مفید ہوں، نقصان کا موجب بھی ہوں۔ علمی مراکز کے قیام اور فروغ علم کی بجائے ان کے جذبۂ عشق رسول کو موضوع سخن بنانا اور وہ بھی نہایت بھونڈے طریقے پر۔ اس لئے حضرت مسعود ملت کے اس سنجیدہ انداز نے مخالفین اہل سنت کے کیمپوں میں آگ لگا دی لیکن اپنے عظیم مشن سے جنون کی حد تک محبت کرنے والا یہ مرد قلندر کسی لومۃ لائم کے بغیر منزل کی طرف رواں دواں رہا اور جب دوستی کا دم بھرنے والے یونیورسٹیوں کے بڑے بڑے جغادریوں نے آپ سے دوستی کا رشتہ منقطع کر دیا تو آپ نے نہایت معقول جواب کے ذریعے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

''تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے آپ میری بات غلط ثابت کر دیں میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا۔ کوئی جھگڑا نہیں یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے جو بات ثابت ہوگئی وہی لکھی جائے گی۔'' (تذکار مسعود ملت، ص:۸۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی ذات ستودہ صفات کے حوالے سے ہر کوئی قلم اٹھانے کا شوق رکھتا ہے اور آپ کے حالات و واقعات سے متعلق بے شمار کتب و رسائل مارکیٹ میں دستیاب ہیں لیکن حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے محض لکھاری ہونے کا شوق نہیں پالا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دودھ پیتے مجنون نہیں بنے بلکہ تحقیق و جستجو اور مقتضائے حال کو اپنی تحریرات کی بنیاد بنایا۔

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات دو بڑی تحریکیں ہیں جن میں عنوانات نہایت دلکش تھے ان تحریکوں میں بڑے بڑے زعمائے ملت نے شرکت کی اور وہ گاندھی کے دام تزویر میں پھنس گئے لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ان تحریکوں میں شریک نہ ہوئے بلکہ اس کے برعکس ان میں شرکت کے نقصانات سے اسلامیان ہند کو آگاہ کرتے رہتے جس کی پاداش میں آپ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے رہے۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے فاضل بریلوی اور ترک موالات کے عنوان پر لکھ کر حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی حقانیت اور آپ کی خداداد بصیرت کو روز روشن کی طرح عیاں کیا اور یوں تحقیقی دنیا سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کو مخالفانہ پروپیگنڈے کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے نظریات و معتقدات کو علماءِ عرب کی فکر کے خلاف قرار دیا تو ضروری تھا کہ دلائل کی روشنی میں حقائق کو واضح کر کے حضرت فاضل بریلوی

علیہ الرحمۃ کے خلاف تعصب پر مبنی شور وغوغا کا گلا گھونٹ دیا جائے چنانچہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے بھی حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ میدان میں آئے اور ۱۹۷۳ء میں آپ نے ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' جیسی اہم تصنیف کے ذریعے اہلِ علم کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بارے میں غلط فہمی کے دلدل سے نکالا۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبۂ دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسر کو دکھائی انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے''۔

(پیش لفظ البریلویہ کا تنقیدی جائزہ ص ۱۴)

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی اس تحقیقی کاوش کا ہی نتیجہ تھا جس نے مخالفینِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اندر کا بغض طشت ازبام کردیا چنانچہ ماہر القادری نے اپنے رسالے فاران میں لکھا:

''اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت وجلالت کے جلوے دیکھ لیے تو ان کی نظر میں کوئی اور نہیں سمائے گا۔''

(ایضاً)

اس سے واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے خلاف پروپیگنڈے اور آپ کی عظیم علمی، دینی اور سیاسی خدمات پر پردہ ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح ان کے اپنے بزرگوں کا بھرم قائم رہے اور جس دن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمات جلیلہ کا اصل نقشہ سامنے آگیا تو جھوٹی عقیدت کی بنیاد پر بنائے گئے بت پاش پاش ہوجائیں گے جس کی طرف ماہر القادری نے اشارہ کیا ہے لیکن الحمد للہ! حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی بصیرت افروز تحریر نے دشمن کی اس سازش کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ آپ نے انگریزی خوان طبقہ کو حقائق سے آگاہ کرنے کی خاطر "Neglected Genius of the East" (مشرق کی فراموش کردہ عبقری شخصیت) کے نام سے بھی ایک مقالہ لکھا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے عربی و فارسی مکاتیب پر مبنی تحقیقی مقالہ تنقیدات وتعاقبات امام احمد رضا لکھ کر آپ کی علمی وجاہت سے ملت اسلامیہ کو روشناس کرایا۔ اس مختصر مقالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف کو اس دنیا سے نکالا جو مخالفین اعلیٰ حضرت کو پسند تھا یعنی آپ کی نعتیں پڑھی جائیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام، کی صدائیں بلند ہوں، گستاخانِ رسول کے خلاف آپ کے فتاویٰ کا چرچا ہوتا کہ آپ کے خلاف اہل علم ودانش کی ذہن سازی کی جاسکے۔

آپ کے بارے میں دھواں دار تقریروں کے ذریعے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو شدت پسند ثابت کرکے اسے فکر امام احمد رضا قرار دیا جائے چنانچہ اس سطح کے لوگ فکر رضا کے ترجمان بن گئے لیکن حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے جس انداز میں کام کیا اور اہل سنت کے مختلف اداروں مجلسِ رضا، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا اور رضا اکیڈمی وغیرہ نے اسے ملت اسلامیہ تک پہنچایا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ فکر اعلیٰ حضرت کے حقیقی ترجمان تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

............ xxx ............

# مسعود ملت کی حیات کے درخشاں گوشے

بقلم: مفتی محمد عبید الحق نعیمی قادری*

ماہر رضویات ترجمان اعلیٰ حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ کا شاندار ماضی قلم و قرطاس کے احاطے میں لانا تو مشکل ہے تاہم آپ نے اپنی پوری زندگی میں عرصۂ دراز سے ملی مذہبی جو کارنامے رشحاتِ قلم رسائل و تصانیف اور مضامین کی صورت میں ارقام فرما کر جماعت اہل سنت کی جو خدمات سرانجام دی وہ صبح قیامت تک کیلئے ان کی شاندار حیات کی تابناک دلیل ہو کے رہے گی۔ نیز اعلیٰ حضرت کے بارے میں ان کے کئی تحقیقی مقالہ جات جو معارف رضا میں اور دیگر رسائل اور کتب کی صورت میں شائع ہوا ان کے ذریعے سے بھی امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعارف میں دنیائے اہل سنت بلکہ علمی دنیا کو بڑی معلومات حاصل ہوئیں۔

## تعارف

ناچیز راقم کے ساتھ مسعود ملت کی ملاقات کبھی نہیں ہوئی باجودیکہ انکا کردار، گفتار، نشست، برخاست، عقیدے کی پختگی، وسیع المعلومات، کثیر المطالعات و مرد کامل اور جماعت اہل سنت کے ایک صف شکن مجاہد ہونے کا تعارف انکی تصانیف سے اور محترم المقام واجب الاحترام حضرۃ صاحبزادہ سید محمد وجاہت رسول قادری مدیر اعلیٰ 'معارف رضا' و صدر اعلیٰ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کی زبانی حاصل ہوا۔ نیز فتاویٰ مسعودی کے مطالعہ سے بھی۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی نے فتاوی مسعودی کے شروع میں صاحب فتاوی کی ایک طویل سوانح عمری بنام حیات مسعودی لکھی ناچیز راقم نے اس کو غور سے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ دہلی کے ایک مشہور علمی صدیقی گھرانے کے قابلِ صد افتخار فرزند ہیں۔ یعنی آپ فقیہ الہند حضرت مسعود شاہ صدیقی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پرپوتے اور مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند اور خاندان مسعودی کی چشم و چراغ ہیں۔

## کارنامے:

مسعود ملت نے جماعت اہل سنت کے مذہب مہذب ہونے کو قرآن و سنت سے ثابت کر کے بہترین کردار ادا کیا۔ خصوصاً حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمہ دانی اور ہر فن کے امام و مجدد ہونے کی ترجمانی کرتے ہوئے جو کارنامہ انجام دیا وہ ان کے شاندار ماضی ہونے کی روشن دلیل ہے۔ ان میں سے چند کارنامے سطور ذیل میں ہدیۂ قارئین ہیں۔

## فاضل بریلوی اور ترک موالات

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق دینی و دنیاوی کی تحفظات کے نام پر گاندھی کی زیر سرپرستی چلائی جانے والی بعض تحریکات مثلاً تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترک موالات پر اپنے تحفظات کا اظہار فرمایا اور دوام العیش فی ائمۃ من القریش اور المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ارقام فرما کر تحریک اتحاد ہندو مسلم کی قباحتیں دلائل شرعیہ سے ثابت کر کے آفتاب نیمروز کی طرح واضح کر دیا کہ ہندو و مسلم الگ قومیں ہیں، ہندوستان میں سیاسی انتظام کے لیے دو قومی نظریہ کی اشد

* شیخ الحدیث، جامعہ احمدیہ سنیہ عالیہ، چٹاگانگ، بنگلہ دیش

ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے کانگریسی مولویوں نے آپ پرانگریز دوستی کا جھوٹا الزام لگایا۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے رسالہ ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' لکھ کر مسئلہ کو حتما عیاں کردیا کہ اگر اعلیٰ حضرت اپنے عہد میں انگریزوں اور ہندوں دونوں فریقوں کے خلاف ترکِ موالات کی مخالفت میں دوقومی نظریہ کی تحریک نہ چلاتے تو آج برصغیر پر سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم ہوجاتی اور مسلمانوں کا تشخص اور علیحدہ وجود کا وجود خطرے میں پڑجاتا۔ چنانچہ مسعود ملت فرماتے ہیں: ''فاضلِ بریلوی نے حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ /۱۶۲۴ء) کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء/ ۱۳۳۹ھ میں دوقومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اعلیٰ حضرت کی رحلت کے بعد تحریک دوقومی نظریہ کو آپکے خلفاء اور تلامذہ نے آگے بڑھایا۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرس منعقدہ بنارس میں باتفاق رائے مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کی گئی۔'' ملخصاً۔

## ماہرِ رضویات وترجمان اعلیٰ حضرت

یہ بات کالشمس فی نصف النہار درخشاں ہوگئی کہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کی ذات وصفات اور تحریری وتقریری خدمات کو ثابت کرنے کیلئے جن نفوس قدسیہ نے قلم اٹھایا ان میں حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی اپنی مثال آپ ہیں آپ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وقیع ماہر رضویات اور ترجمان اعلیٰ حضرت ہیں اسکی مثال آپکی تصانیف میں خصوصا حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی وتحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ودار العلوم منظر اسلام اور فقیہ عصر وغیرہ ہیں۔

''فقیہ عصر'' یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے مگر عالم اسلام میں اس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اسکی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اس کو محترم المقام واجب الاحترام حضرۃ العلام شیخ الحدیث الحاج مولانا ابو الفتح محمد نصر اللہ خان افغانی ثم پاکستانی مدظلہ العالی سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ سنیہ عالیہ چٹاگانگ بنگلہ دیش نے اردو سے فصیح اور بلیغ عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ لہٰذا آج اعاظم واکابر عالم کو اعلیٰ حضرت کی فقاہت وعبقریت اور ستر سے زائد مختلف علوم وفنون میں لکھی گئی تصانیف کی معلومات سہولت سے حاصل ہورہی ہے۔ آپ کی تالیف ''شیخ احمد رضا خان بریلوی'' کا علامہ محمد عارف مصباحی نے عربی میں جو ترجمہ کیا ہے اس نے بھی عالم اسلام میں اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

## افتتاحیۂ مجموعہ صلوات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مسعود ملت نے مجموعۂ صلوات الرسول کی تقدیم پر ایک قابل تحسین افتتاحیہ کی خامہ فرسائی کی ہے جو آپ کی شاندار تحقیقی، علمی و دینی کارناموں کی ایک اور روشن دلیل ہے۔ صلوٰت الرسول ﷺ حضرت خواجۂ خواجگاں خلیفۂ شاہ جیلان صاحب معارف لدنیہ خواجہ عبدالرحمٰن علوی چھوروی ہزاروی (پاکستان) کی الہامی کتاب ہے جو درود پاک کے صیغوں کے تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب یقیناً محیر العقول بھی ہے اور نوادرات میں شامل ہے۔ راقم کی تحقیق کے مطابق تیس پاروں پر مشتمل تین کتابیں ہیں۔ (۱) کلام مجید جو کلام الٰہی ہے (۲) احادیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف۔ (۳) مجموعہ صلوات الرسول شریف۔

مجموعہ صلوات الرسول کا پہلا ایڈیشن حضرت خواجہ چھوہروی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی سے آپ کے خلیفۂ اعظم قطب الاولیا آل رسول حضرت علامہ حافظ سید احمد شاہ سری کوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہری پور، پاکستان، (بانی جامعہ

احمد یہ سنیہ عالیہ چٹاگانگ) نے مجلس شوریٰ رحمانیہ رنگون کے زیرِ اہتمام چھاپ کر شائع کیا۔ بعد ازاں حضرت سریکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلف رشید خلیفۂ اعظم قطب الارشاد مرشدنا مولانا حضرۃ العلام حافظ آلِ رسول سید محمد طیب شاہ علیہ الرحمہ (بانی مدرسۂ قادریہ طیبیہ عالیہ ڈھاکہ بنگلہ دیش) نے انجمن رحمانیہ احمد یہ سنیہ چاٹگام بنگلہ دیش کے زیرِ اہتمام دو دفعہ چھپوایا۔ آخری مرتبہ قطب الارشاد کے دونو صاحبزادے اور خلفاء راہنمائے شریعت وطریقت حضرت مولانا مرشدنا سید محمد طاہر شاہ دامت برکاتہم، وحضرت سید محمد پیر صابر شاہ (ممبر صوبائی اسمبلی سرحد پاکستان) دامت برکاتہم نے انجمن رحمانیہ احمد یہ سنیہ کے زیرِ اہتمام رکن انجمن الحاج عبد الجبار یونس کمپنی مرحوم کے تعاون سے مع ترجمہ شائع کیا۔

مسعود ملت یہ وہ محقق ہیں جنہوں نے افتتاحیہ میں بے پناہ جانفشانی سے کام لیتے ہوئے حضرت خواجہ چھوہروی علیہ الرحمہ کے بارے میں عجیب وغریب انکشافات قلم بند کئے جو اس سے قبل ہمارے علم میں نہیں تھے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی مندرجہ تصانیف قابل ذکر ہیں ماسوائے صلوات الرسول کے ان تصانیف کے متعلق زیادہ تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

۱۔مجموعہ صلواۃ الرسول ۲۔شرح ابن ماجہ شریف قلمی ۳۔شرح ترمذی شریف قلمی ۴۔ عطاء الرحمٰن فی اسلام آباء سید الانام قلمی ۵۔انعام الرحمٰن فی تصریحات القرآن قلمی ۶۔ لغات الحروف قلمی ۷۔شرح اسماء حسنہ قلمی ۸۔سیاف شرح چہل کاف مطبوعہ منظوم بزبان پنجابی ۹۔درود شریف مطبوعہ بزبان پنجابی۔ مذکورہ کتابوں کی فہرست شائع کرنے میں مسعود ملت کا مقصد یہ ہے کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ مادرزاد ولی تھے صرف استاد سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ ابتدائی درسی کتاب کی تعلیم کیلئے بھی کسی استاد کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا باوجودیکہ مذکورہ اہم کتابوں کا تصنیف کرنا حضرت خواجہ کے عالمِ علوم ومعارف لدنی ہونے کی مہتم بالشان دلیل ہے۔

ماہر رضویات ترجمان اعلیٰ حضرت پروفیسر ڈاکٹر حضرت محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمہ گذشتہ ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء کو سیکڑوں معتقدین اور شمع اعلیٰ حضرت کے پروانوں کو سوگوار چھوڑ کر عالم حجاب میں محجوب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ انکی قبر مقدسہ پر صبح قیامت تک بارش رحمت برسائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

## مراجع


۱۔ افتتاحیۂ مجموعۂ صلوات الرسول، مؤلف ڈاکٹر مسعود احمد قادری نقشبندی، ادارۂ مسعودیہ ناظم آباد، کراچی، ۲۰۰۲ء

۲۔ دارالعلوم منظر الاسلام، ڈاکٹر مسعود احمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان ۲۰۰۰ء

۳۔ فقیہ العصر مؤلف ڈاکٹر مسعود احمد، تعریب مولانا محمد نصر اللہ خان ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان ۱۹۹۳ء

۴۔ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ڈاکٹر مسعود احمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان ۱۹۹۹ء

۵۔ تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ڈاکٹر مسعود احمد، رضا کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۹ء


........... xxx ...........

# ماہرِ رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا اسلوبِ تحریر و تحقیق

مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی☆

علم و ادب، تحقیق و تدقیق، تصنیف و تالیف اور ارادت و طریقت کی دنیا میں یہ خبر گہرے دُکھ اور رنج کے ساتھ سنی گئی کہ ملک کے ممتاز دانشور، عظیم محقق و مصنف، ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو کراچی میں وصال فرما گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء فتح پور، دہلی میں پیدا ہوئے۔ پھر علمی منازل طے کرتے کرتے انہوں نے علم و ادب کے جہاں کو فتح کیا، ان کا قلم چلتا رہا، ان کا فیض بٹتا رہا، ان کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، ان کے مقالات اور ان کی تالیفات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ ایک عالم انہیں محسنِ اہلسنّت اور ماہرِ رضویات کے القابات سے یاد کرتا ہے۔ وہ ملک کے مایہ ناز ماہر تعلیم اور نازش بصیرت محقق کے طور پر زندہ جاوید رہیں گے۔ خود ان کی خدمات پر بہار یونیورسٹی، بھارت کے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کا اعزاز پا چکے ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر جس شان سے لکھا ہے، شاید ہی کوئی اس میدان میں ان کی ہمسری کر پائے۔

مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ کے والد گرامی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پاک و ہند کے سربرآوردہ علماء و صلحاء اور صوفیاء و اذکیاء میں نمایاں تر تھے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ بایں ہمہ وہ عظیم استاذ، عظیم باپ، عظیم رہنما، عظیم رہبر، عظیم مصنف، عظیم محقق، عظیم عالم باعمل اور اس سے بڑھ کر ایک شفیق بزرگ اور خلیق انسان تھے۔ ان کی شخصیت اس قدر دلربا ہے کہ چند صفحات کیا، ضخیم کتاب بھی ان کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ پیشِ نظر مضمون میں محض ان کے اسلوبِ تحریر پر چند معروضات اور ان کی تالیفات سے چند اقتباسات پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ باری تعالیٰ جل وعلا اپنے حبیب دلربا علیہ التحیۃ والثناء کے تصدق سے ڈاکٹر صاحب کی جملہ خدمات کو قبول کر کے بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔ ان کی قبر پر رحمتوں کا مینہ برسائے اور ان کے چاہنے والوں کو آپ کا مشن تابندہ رکھنے کی ہمت و توفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)

مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا اندازِ تحریر اس قدر والہانہ، عالمانہ، ادیبانہ اور محققانہ ہے کہ قاری بن دیکھے ان کا عاشق اور ان کا مداح بن جاتا ہے۔ میں نے ابھی ڈاکٹر صاحب کو دیکھا نہ تھا، اُن کی کتاب "جانِ جاناں" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطالعہ کا شرف ملا، الفاظ موتیوں کی طرح جڑے ہوئے، فصاحت و بلاغت کا شاہکار جب پڑھنے بیٹھا تو یوں لگا، اس میں ادب کی چاشنی، غضب کی روانی، عقیدت اور عقیدہ کی کہانی، حسنِ تراکیب کی جولانی، محبت کی نشانی، جذبات پاکیزہ کی فراوانی، سب ہی کچھ سمیٹ دیا گیا۔

خلقتِ محمدی بیان کرتے ہوئے "جانِ جاناں" کا یہ ایمان افروز، ولولہ انگیز اور دلآویز اقتباس آپ کے ایمان کو جلا بخشے گا:

"کچھ نہ تھا...... نہ زمین تھی نہ آسمان...... نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب...... نہ دن تھا نہ رات...... نہ گرمی تھی نہ سردی...... نہ نسیم تھی نہ شمیم...... نہ پھول تھے نہ پھل...... نہ بہار تھی نہ خزاں...... نہ بادل تھے

☆ مدیر اعلیٰ، ماہنامہ "کاروانِ قمر" کراچی

نہ برسات...... نہ چرند تھے نہ پرند...... نہ صحرا تھے نہ گلشن...... نہ شجر تھے نہ حجر...... نہ دریا تھے نہ سمندر...... نہ ہوا تھی نہ پانی...... نہ آگ تھی نہ خاک...... نہ جن تھے نہ ملک...... نہ حیوان تھے نہ انسان...... نہ یہ چہل پہل تھی نہ یہ ریل پیل...... نہ دیوانگی تھی نہ شعور...... نہ ہجر تھا نہ وصال...... نہ اقرار تھا نہ انکار...... نہ آہ تھی نہ فریاد...... نہ رونا تھا نہ ہنسنا...... نہ جاگنا تھا نہ سونا...... نہ جذبہ تھا نہ احساس...... نہ جوانی تھی نہ بڑھاپا...... نہ ہوش تھے نہ خرد...... نہ نشیب تھا نہ فراز......

کچھ نہ تھا...... وہی وہ تھا...... پھر کیا ہوا؟...... کائنات کی وسیع و عریض فضاؤں میں ایک نور چمکا...... وہ نور کیا چمکا گویا زندگی میں بہار آ گئی...... سلسلہ چل نکلا...... چراغ سے چراغ جلنے لگے...... دیکھتے ہی دیکھتے سارا جہاں جگمگانے لگا۔"

(جانِ جاناں ﷺ، صفحہ: ۲۳، مطبوعہ انٹرنیشنل پبلی کیشنز، حیدرآباد، سندھ، سن طباعت ۱۹۸۸ء)

زبان و ادب کا ایک حسن یہ ہے کہ اس میں فصاحت و بلاغت کی چاشنی بدرجۂ اتم ہو اور ایک ادیب کا کمالِ فن یہ بھی ہے کہ اس کی تحریروں میں فصاحت و بلاغت کا عنصر نمایاں ہو۔ ڈاکٹر صاحب کا کمال یہ ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، تحقیق کا حق ادا کردیتے ہیں۔ خشک سے خشک عنوان پر لکھنے بیٹھتے ہیں تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہادیتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کسی کتاب پر تقریظ لکھی یا اس کا مقدمہ تحریر فرمایا بلکہ انتساب لاجواب کیا تو خوبصورت اور فصیح و بلیغ الفاظ کا ڈھیر لگادیا اور پڑھنے والا حیران مگر فرحاں ہوگیا۔ سیرت پر اپنی کتاب "جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کا یہ بہار آفریں "انتساب" ملاحظہ کریں:

انتساب

- لہلہاتی بہاروں کے نام
- سنہری راتوں کے نام
- صبحِ سعادت کے نام
- چمکتی فضاؤں کے نام
- روشن عذاروں کے نام
- شرم آگیں نگاہوں کے نام
- پیاری پیاری اداؤں کے نام
- جھلملاتے درودوں کے نام
- جگمگاتے سلاموں کے نام
- مچلتی اُمنگوں کے نام
- تڑپتی تمناؤں کے نام
- پھڑکتی آرزوؤں کے نام
- بلبلاتی آہوں کے نام
- ڈبڈباتی آنکھوں کے نام
- چھلکتے آنسوؤں کے نام
- معصوم شہیدوں کے نام
- مسکراتی روحوں کے نام
- چمکتی رہ گذاروں کے نام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اندازِ تحریر و تحقیق کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس میں بلا کی سلاست و روانی ہے۔ آپ کے مضامین و مقالات پڑھنے والا الفاظ کا تسلسل دیکھ کر یوں محسوس کرتا ہے جیسے الفاظ و تراکیب کا سیلِ رواں ہے، ایک ایک لفظ جچا تلا، ایک ایک جملہ شستہ اور پاکیزہ، نہ عبارت میں کوئی ابہام، نہ تسلسل میں کوئی انقطاع، ایسی سلاست و روانی کی صلاحیت فیاضِ قدرت کسی کسی کو بخشتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے امام اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ الباری پر بہت لکھا اور بہت خوب لکھا، آپ کی سوانح، آپ کی شخصیت، آپ کی بصیرت، آپ کی بصارت، آپ کی فقاہت، آپ کی عبقریت، آپ کی علمیت، آپ کی فضیلت، آپ کی ادبیت، آپ کی شعریت،

الغرض آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے ہر پہلو کو احسن پیرائے میں اجاگر کیا۔ آپ کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' کا ایک عالم دیوانہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ''انتخابِ حدائقِ بخشش'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں صرف غزلیات، قصائد اور رباعیات کو لیا ہے۔ یہ کام آپ نے اس لیے کیا کہ یونیورسٹیوں میں کلامِ رضا نصاب کا حصہ بن جائے۔ اس کتاب کا یہ والہانہ اور یہ ادیبانہ اقتباس ڈاکٹر صاحب کے اندازِ تحریر کی سلاست روانی کا بہترین نمونہ ہے:

''اس کے حسن دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں، جیسے آنکھیں برس رہی ہوں، جیسے سینے لہک رہے ہوں، جیسے چشمے اُبل رہے ہوں، جیسے فوارے چل رہے ہوں، جیسے گھٹائیں چھا رہی ہوں، جیسے پھوار پڑ رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو، جیسے جھرنے چل رہے ہوں، جیسے دریا بہہ رہے ہوں، جیسے صبا چل رہی ہو، جیسے پھول کھل رہے ہوں، جیسے خوشبو مہک رہی ہو، جیسے تارے چمک رہے ہوں، جیسے کہکشاں دمک رہی ہو، جیسے آفاق پھیل رہے ہوں، جیسے دنیا سمٹ رہی ہو، جیسے زمین سے اٹھ رہے ہوں، جیسے فضاؤں میں بلند ہو رہے ہوں، جیسے آسمانوں میں پھیل رہے ہوں، جیسے دروازے کھل رہے ہوں، جیسے ایک نئے جہاں میں جھانک رہے ہوں، جیسے قدسیوں سے باتیں کر رہے ہوں، جیسے حوروں سے سرگوشیاں کر رہے ہوں، جیسے باغِ بہشت کی سیر کر رہے ہوں، جیسے کوثر و تسنیم سے سیراب ہو رہے ہوں، جیسے سینوں میں وسعتِ کونین سما رہی ہو، جیسے جلوۂ یار کو آمنے سامنے دیکھ رہے ہوں، جیسے وہ آ رہے ہوں، جیسے وہ جا رہے ہوں، جیسے وہ ہنس رہے ہوں، جیسے وہ رو رہے ہوں، جیسے وہ بول رہے ہوں، جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں، رضا بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات۔ ایک ایک حرف چمک رہا ہے، ایک ایک لفظ دمک رہا ہے، ایک ایک مصرعہ چہک رہا ہے، ایک ایک شعر میں جہاں معنی آباد ہیں۔''

(انتخاب حدائقِ بخشش، ص: ۱۰، ۱۱)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد اُن منتخب اور محبوب و محتاط گنتی کے چند قلمکاروں میں ایک ہیں جنہوں نے ہر موضوع پر لکھا اور جو لکھا، محبت اور عقیدت سے پڑھا گیا۔ ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کی اس گواہی میں بڑی جان ہے کہ

''ڈاکٹر مسعود احمد ایک بے مثل انشاء پرداز، تمثیل نگار، خاکہ نگار اور سیرت نگار ہیں۔ ان کی طرزِ تحریر عدیم المثال ہے۔ انشاء میں علمی و تحقیقی شان پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ خوش مزاجی اور خوش مزاقی دونوں موجود ہیں۔ مزاح کے ساتھ ساتھ ان کے مضامین میں متانت اور سنجیدگی بھی موجود ہے۔ مذہبیات میں کافی درک رکھتے ہیں۔ ان کو عربی، فارسی، ہندی، انگریزی وغیرہ زبانوں پر دسترس حاصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر صاحب ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔''

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۳۲۷، ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۲ء)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ساری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزری ہے۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا ہے اور کمال یہ ہے کہ خشک سے خشک موضوع پر بھی اس شان سے لکھا ہے کہ قاری کی دلچسپی کا سامان کر دیا ہے۔ ۵ سو سے زائد مقالات اور سو سے زیادہ تصنیفات و تالیفات کے خالق ڈاکٹر محمد مسعود احمد عاجزی اور انکساری کے پیکر تھے۔ اس سادہ مگر دل رُبا شخصیت سے ملنے والا حیرتوں میں گم ہو جاتا جب آپ کے عظیم علمی اور تحقیقی کام پر نظر ڈالتا۔ البتہ ڈاکٹر صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ پر سب سے زیادہ علمی اثاثہ (صدقہ جاریہ) چھوڑا ہے۔ عالی قدر محمد عبد الستار طاہر زید مجدہٗ نے آپ کے مقالات و مضامین کو ایک ضخیم جلد میں جمع کیا ہے، چند اہم کتب و رسائل کے نام ملاحظہ ہوں:

- محبت کی نشانی
- نظامِ مصطفیٰ

- جشنِ بہاراں
- جانِ ایماں
- جانِ جاناں
- دعائے خلیل
- رحمۃ للعالمین
- عشق ہی عشق
- عیدوں کی عید
- جانِ جاں
- علمِ غیب
- جشنِ ولادت
- تعظیم و توقیر
- نسبتوں کی بہاریں
- قبلہ
- سلام و قیام
- انتخابِ حدائقِ بخشش
- جشن عید میلاد النبی
- مصطفوی نظامِ معیشت
- عید کونین

## فاضلِ بریلوی پر لکھی گئی کتابیں

- فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات
- فاضلِ بریلوی علماء حجاز کی نظر میں
- عاشقِ رسول
- حیاتِ فاضل بریلوی
- امام اہلِ سنت
- اُجالا
- حیاتِ مبارک امام اہلِ سنت
- رہبر و رہنما
- محدثِ بریلوی
- آئینۂ رضویات
- تنقیدات و تعاقباتِ امام احمد رضا
- دائرہ معارف امام احمد رضا
- حیاتِ مولانا احمد رضا بریلوی

وغیرہ

یہی سبب ہے کہ دنیائے اہلِ سنت میں آپ ''ماہرِ رضویات'' کے لقب سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔

## وفیات

### مفتی اعظم شام حضرت علامہ شیخ احمد بدر الدین مدظلہ العالی کو صدمہ

محترم مولانا اقبال عامر صدیقی شامی زیدہ مجدہٗ سے یہ اطلاع پاکر افسوس ہوا کہ ملک شام کے معروف عالم شیخ طریقت فضیلۃ الشیخ حضرت احمد حسون والدِ ماجد مفتی جمہوریہ شام حضرت علامہ شیخ احمد بدر الدین حسون جون ۲۰۰۸ء کے اوّل عشرے میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

مرحوم موصوف شام اور مشرقِ وسطیٰ کے نامور عالم اور پیرانِ طریقت میں شمار ہوتے تھے۔ شام کے علماء و مشائخ میں ان کا کافی اثر و رسوخ تھا۔ آپ کا حلقۂ ارادت کافی وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

صدرِ ادارہ سید وجاہت رسول قادری صاحب نے اپنی اور ادارہ کے تمام اراکین کی جانب سے مفتی اعظم شام حضرت علامہ شیخ احمد بدر الدین حفظہ اللہ الباری کو ایک تحریری تعزیت نامہ ارسال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی اعظم قبلہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

# ایک صاحب کردار استاد

از: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

اللہ عزوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ o (حٰم۔ السجدہ: ۳۳)

اوراس سے زیادہ کس کی بات اچھی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے میں مسلمان ہوں۔"

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

آیتِ کریمہ میں ایک اچھے مسلمان کی دو اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ وہ خود نیکوکار ہوتا ہے اور ہمہ وقت ایسے کام کرتا ہے جس میں نیکی کا پہلو نمایاں ہو اور اس کام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہو یعنی اس کی زندگی کے تمام کام صبح و شام قرآن و سنت کے مطابق ہوں اور پھر وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ عوام الناس ایسے ہی لوگوں کے اعمال اور کردار سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر وہ بھی اللہ کی طرف جھکتے ہیں اور ان کے دلوں میں رغبتِ دین پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کردار اور اعمال ہی کی طرف آیت کریمہ میں خداوند کریم نشاندہی فرما رہا ہے کیونکہ ایسے اعمال اس بندے کی نسبت سے بہت ہی اچھی بات ہوتی ہے جو اپنے کردار سے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے کردار کو پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ o

(اٰل عمران: ۷۶)

"جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری کی تو بے شک پرہیزگار (صاحب کردار) اللہ کو خوش آتے ہیں۔"

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

اللہ عزوجل نہ جانے کتنے لوگ روزانہ پیدا فرماتا ہے اور نہ جانے کتنے لوگ روزانہ واپسی کا سفر باندھتے ہیں مگر ان سب میں وہ کتنے لوگ ہیں جن کے اعمال و کردار سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کو ان بندوں کے اعمال پسند آتے ہیں اور وہ ان بندوں کو اپنے چاہنے والوں کی فہرست میں شامل فرماتا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ صاحب ایمان ہوں اور صاحب تقویٰ ہوں اس کے ساتھ ہی اگر وہ داعی الی اللہ کے عمل سے سرفراز ہوں تو سبحان اللہ اور وہ اگر بندوں کو اللہ اور رسول ﷺ سے ملانے والے ہوں تو نورٌ علیٰ نور۔

دورِ حاضر میں ایک ایسی ہی شخصیت کا نام حضرت علامہ مولانا (پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی مظہری علیہ رحمۃ ورضوان ہیں جن کا وصال پر ملال ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء بروز پیر جیسے مبارک دن ہوا۔ حضرت صاحب کو ملت اسلامیہ "مسعودِ ملت"، عاشقِ امام احمد رضا "ماہرِ رضویات" جیسے القابات سے یاد کرتے تھے۔ اہل محبت ان کو مجدد کے منصب پر فائز سمجھتے تھے جب کہ اہل ایمان ان کو ولیٔ کامل کے درجہ پر فائز سمجھتے تھے اور برادرانِ طریقت ان کو مظہرِ مظہر اللہ خیال کرتے تھے۔ راقم ان سب کے ساتھ حضرت کو کامل صاحب کردار استاد و مرشد برحق سمجھتا ہے۔

صاحب کردار ہونے کے لئے اعلیٰ حسنِ اخلاق ضروری ہے

جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''بے شک تم میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔'' (مسلم وسنن ابوداؤد)

حضرت ابی الدرداء سے بھی ایک حدیث مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''قیامت کے دن مومن کے میزان میں حُسنِ خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔''

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک روایت بیان کی جاتی ہے:

''میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روز قیامت تم میں مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے''۔

حضرت مسعود ملت دورِ حاضر میں یقیناً حسنِ اخلاق کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ احقر نے اپنی زندگی میں بے شمار علماء و مشائخ، مفتیان کرام، صوفیائے عظام اور متعدد اہل اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور سب کو اپنے اپنے علم و تقویٰ میں اعلیٰ پایا ہے مگر یہ بات بہت ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں کہ مسعود ملت و ماہرِ رضویات کا کردار اور حسن اخلاق نہ صرف عوام الناس بلکہ خواص کے لئے بھی اعلیٰ نمونہ تھا اور اپنے ہم عصروں میں وہ اعلیٰ حسنِ اخلاق کے مرتبہ پر فائز تھے اور اپنے والد ماجد حضرت مفتی مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی علیہ الرحمۃ کی اعلیٰ سیرت و کردار کے اعلیٰ مظہر تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل تھا اور اللہ تعالیٰ جس پر اپنا فضل و کرم چاہے عطا فرمائے جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ o يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o (آل عمران: ۷۳، ۷۴)

تم فرما دو فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے o اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے o

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

حضور ﷺ کا مطیع اور فرمانبردار وہی ہوسکتا ہے جس کے دل میں حضور ﷺ کی محبت کے ساتھ آپ کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ہو۔ حضرت مسعود ملت نے ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرمائی اور اپنی عملی زندگی سے لوگوں کو سنت رسول کی طرف رغبت دلائی آپ دوران وعظ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے سے کام آسان ہوجاتے ہیں۔ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ جو بات وعظ میں بیان فرماتے ان سنتوں پر وہ خود عمل کرتے ہوئے نظر آتے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کی صحبت میں اثر تھا اور نہ جانے کتنے شاگردوں اور فرزندان طریقت کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں سے محبت کا جذبہ پیدا کیا اور یہ ہی وہ طریقہ ہے جس پر چل کر سالکین طریقت ولایت کے اہم مقامات حاصل کرتے ہیں اور ان کے چہرے منور سے منور تر ہوتے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت علامہ شیخ ابو المواہب عبد الوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) ''طبقات الکبریٰ'' میں رقمطراز ہیں:

''صوفیوں کا طریق (یا صاحب کردار لوگوں کا طریقہ) کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مستحکم اور اخلاق انبیاء و اصفیاء کے سلوک پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ہی حضرات علم تصوف کے مآخذ و مراجع ہوا کرتے ہیں۔ علم تصوف اس علم کا نام ہے جو صوفیوں اور ولیوں کے دلوں میں اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے جب وہ کتاب و سنت پر عمل کرنے سے

منور ہو جاتے ہیں۔ پس جب کوئی مسلمان قرآن وسنت پر عمل کو پیش کرے گا تو اس پر ایسے علوم اور اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں جن کے بیان سے زبان عاجز رہتی ہے۔''

(طبقات الکبریٰ۔ اردو ترجمہ: سید عبدالغنی وارثی، ص ۲۱)

حضرت مسعود ملت نے ساری زندگی صوفیائے کرام کے نقوش پر عمل کیا جس کے باعث آپ کی زبان مبارک سے ایسے ایسے جامع کلمات اور اسرار و رموز کے نکات نکلے ہیں جو احقر نے ان کی مجالس میں نوٹ کئے ہیں۔ زندگی نے وفا کی تو ان کے ارشادات عارفانہ تدوین کر کے شائع کروں گا۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی بیشتر زندگی ایک استاد اور پروفیسر کی حیثیت سے دنیاوی ماحول میں گزری۔ پاکستان ہجرت کرنے کے بعد آپ نے حیدرآباد سندھ میں قیام کیا اور جامعہ سندھ سے ۱۹۵۸ء میں اردو زبان میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ پاکستان ہجرت سے قبل آپ اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ کرام سے دینی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ آپ نے اپنی معاشی زندگی کا آغاز ۱۹۵۸ء ہی میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی حیثیت سے کیا۔ ملازمت ہی کے دوران آپ نے جامعہ سندھ سے ۱۹۷۱ء میں Ph.D کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ آپ نے اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ جامعہ سندھ کے پروفیسر ایمریٹس ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی نگرانی میں مکمل کیا۔ آپ کے مقالہ کا عنوان تھا ''اردو میں قرآنی تراجم وتفاسیر'' یہ مقالہ ابھی بھی غیر مطبوعہ ہے۔ حسن اتفاق سے جب میں نے اپنا Ph.D کا مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی نگرانی میں بعنوان ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' ۱۹۹۳ء میں جامعہ کراچی میں پیش کیا تو اس کے ایک ممتحن پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں تھے۔ احقر کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ راقم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کا پہلا Ph.D کا شاگرد ہے۔

حضرت مسعود ملت ۳۴ برس تک تعلیم کے شعبہ سے وابستہ رہے اور سندھ کے مختلف کالجوں میں استاد کی حیثیت سے اور جلد ہی پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے اور بعض اوقات ان کا تبادلہ سندھ کے ایسے کالجوں میں بھی ہوا ہے جہاں نہ بجلی نہ گیس اور نہ ہی نلکوں میں پانی۔ وہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے سالوں گزارے اور کبھی شہر میں تبادلے کے لئے درخواست نہ دی۔ احقر نے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت آپ سندھ کے علاقے مٹھی میں کئی برس رہے تو آپ نے تبادلے کے لئے کوشش کیوں نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: فقیر نے کبھی دنیادار کے سامنے اپنی درخواست پیش نہ کی نہ کبھی کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ سب من جانب اللہ ہے جہاں جہاں کی روزی اور رزق اللہ تعالیٰ نے میرے لئے لکھا ہے وہاں وہاں اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور ایسی جگہ تبادلے سے مجھے سب سے زیادہ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تصنیف و تالیف کا کام انتہائی سکون سے انجام دیتا ہوں۔ پھر فرمایا: شاید اللہ تعالیٰ دین کا کام مجھ سے اسی طرح لینا چاہتا ہو اس لئے فقیر کسی کے آگے درخواست پیش نہیں کرتا۔

حضرت مسعود ملت لگ بھگ ۳۴ برس تعلیم کے شعبہ سے وابستہ رہے اور ۱۹۹۲ء میں آپ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ پھر تا دم آخر تصنیف و تالیف سے وابستہ رہے جس کی ابتداً آپ نے ۱۹۵۱ء میں کی تھی۔ اس طرح تصنیف و تالیف میں آپ کی خدمت کا دائرہ لگ بھگ ۶۰ سال کا ہے جس کے دوران آپ نے سینکڑوں کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں اور بے شمار مقالات تحریر فرمائے۔ حضرت مسعود ملت نے اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے

کے لئے اور ملت اسلامیہ کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے ہزاروں صفحات لکھے جس کی روشنائی بھی قیامت کے دن آپ کے نامۂ اعمال میں ایک وزنی نیکی ہوگی جس کے باعث آپ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے سرخروئی حاصل ہوگی کیونکہ اس تمام تحریر کا معاوضہ آپ نے دنیا میں کسی سے ایک پائی کا بھی حاصل نہ کیا کیونکہ آپ بھی سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی کی طرح یہ ایمان رکھتے تھے کہ اس دینی خدمت کا معاوضہ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عطا فرمائے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اجری الاّ علی اللّٰہ...

میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر (وہی مجھے جزا دے گا اپنی شان کے لائق)

راقم یہاں چونکہ حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے صرف ایک پہلو یعنی ایک صاحب کردار استاد کے حوالے سے گفتگو کر رہا ہے اس لئے ان کی شخصیت کے بقیہ پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ بعد میں لکھے جانے والے مقالات میں ان کے مختلف علمی پہلوؤں پر گفتگو کرے گا۔ یہاں صرف بحیثیت استاد کچھ پہلو ملاحظہ کریں۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۸۲ء کے آخری مہینوں میں ان کے گھر پر ہوئی تھی اور حسن اتفاق سے زندگی میں ان سے آخری ملاقات مارچ ۲۰۰۸ء کے دوسرے ہفتے میں ان کے آخری دورہ انڈیا کے جانے سے چند روز قبل ہوئی تھی۔ آپ یقین کریں کہ پہلی اور آخری ملاقات کے ۲۶ سال کے دورانیہ میں نہ ڈاکٹر صاحب کا گھر بدلا، نہ کمرہ، نہ بیٹھک، نہ مزاج، نہ لباس، نہ اخلاق، نہ گھر کی زینت میں کوئی تبدیلی ہوئی بلکہ جس جگہ اور جس انداز میں پہلی ملاقات ہوئی تھی تو یہ آخری ملاقات بھی اسی انداز میں ہوئی تھی اگر کوئی چیز بدلی تو صرف حضرت کی ریش مبارک کا رنگ بدلا جو کالے سے سفیدی رنگ میں نورانیت کے ساتھ تبدیل ہوا۔ جس طرح ڈاکٹر صاحب پہلی ملاقات میں جس مقام اور کمرے کی جس دیوار کے ساتھ بیٹھ کر ملے تھے اسی انداز میں آخری ملاقات میں بھی اسی جگہ بیٹھا ہوا پایا۔ قارئین کرام دنیا ۲۶ سال میں بدل کر کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ دنیا والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے مگر توکل اور قناعت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ استقامت سے قائم رہا اگرچہ اس دوران آپ کے سلسلے میں ہزاروں لوگ داخلِ سلسلہ ہوئے جن میں سینکڑوں لوگ صاحب ثروت اور صاحب منصب بھی تھے مگر کوئی ان کے مزاج فقیرانہ کو نہ بدل سکا البتہ آپ کے سلسلے میں داخل ہونے والے افراد چاہے وہ اہل ثروت ہوں یا اہل منصب وہ اپنے دنیاوی مزاج کو حضرت کی صحبت میں بدلنے میں مجبور ہوئے مگر حضرت کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا اور کیونکر آتا کہ جس نے اپنے آپ کو سنتوں میں ڈھال لیا ہو اور اللہ کے رنگ کو اختیار کر لیا ہو اس کو کون بدل سکتا ہے کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ○ (البقرہ: ۱۳۸)

''ہم نے اللہ کی رینی (رنگ) لی اور اللہ سے بہتر کس کی رینی اور ہم اسی کو پوجتے ہیں۔''

چنانچہ سلسلے میں داخل ہونے والے اس صاحب کردار کے رنگ میں رنگتے چلے گئے۔ چہروں پر داڑھیاں سجتی چلی گئیں، لباس میں سادگی آتی چلی گئی، گفتار دھیمی ہونے لگی، حسن اخلاق میں اضافہ ہونے لگا اور کیوں نہ ہوتا کہ ان کا استاد ان کا شیخ ہمیشہ سادہ لباس میں رہا کہ وہی سفید کرتا اور سفید شلوار، کالی واسکٹ اور کالی ٹوپی اور سادہ

نا گرہ۔ الحاصل آنے والے بدلتے گئے وہ نہ بدلا لیکن ہزاروں دلوں کو بدل گیا۔

حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے ۳۴ سال سرکاری ملازمت فرمائی اور پہلے دن سے جو لباس زیب تن کیا وہ ہی الحمد للہ زندگی بھر زیب تن کئے رہے حالانکہ سرکاری ملازمت کے دوران بڑے بڑے اہل منصب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے جو سب کے سب انگریزی لباس ہی میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی اکثریت دنیاوی رنگ میں رنگی ہوتی ہے لیکن حضرت ہمیشہ اسی سادہ لباس کے ساتھ ہی تمام سرکاری مجالس و محافل میں شریک ہوتے رہے۔

ہم سب دنیاوی مجالس کے آداب سے واقف ہیں کہ جب کوئی تقریب ہوتی ہے تو مہمانان خصوصی کے لئے اسٹیج سجایا جاتا ہے اور وہاں کچھ بلندی پر بڑی بڑی کرسیاں رکھی جاتی ہیں اور محفل کی صدارت کرنے والے کے لئے سب سے اونچی اور سب سے بڑی کرسی رکھی جاتی ہے جس پر بیٹھ کر صاحب صدر خوشی محسوس کرتا ہے مگر حضرت مسعود ملت نے کبھی اپنے جلسے یا مجلس کی صدارت نہ کی اور نہ کبھی اسٹیج پر بیٹھے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بقیہ لوگوں سے افضل نہیں سمجھتے تھے اور دوسری طرف یہ اسٹیج کی بناوٹ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان کبھی اونچی جگہ نہ بیٹھے بلکہ اسی فرش سنت پر بیٹھتے جس پر اصحاب رسول بیٹھے ہوتے چنانچہ اس سنت رسول ﷺ پر بھی حضرت مسعوت ملت نے ہمیشہ عمل کیا اور اس دور میں یہ وہ سنت قرار دی جاسکتی ہے جو ناپید ہوتی جارہی ہے اور کسی ایسی سنت کا احیا یقیناً ایک بہت ہی بڑے استقامت سنت کی نشانی ہے اللہ تعالیٰ حضرت مسعود ملت کو علیین میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ د

قارئین کرام! آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اکثر اساتذۂ کرام کے مزاج جب وہ پروفیسر ہو جائیں یا پرنسپل کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو جائیں تو ایسے بدلتے ہیں جیسے گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ منصب سنبھالنے کے بعد اہل منصب اپنے ملازموں سے اتنا برا سلوک کرتے ہیں کہ کوئی اپنے غلاموں کے ساتھ بھی اتنا برا برتاؤ نہ کرتا ہوگا۔ منصب پر فائز ہونے کے بعد تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا ان کا یہ منصب نہ چھین لے اس لئے اپنے ماتحتوں کی ترقی میں ایسی رکاوٹیں ڈالتے ہیں کہ بعض دفعہ ماتحت عملہ رو رو جاتا ہے مگر ان کے دل نہیں پسیجتے اور دل اتنے کرے ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کی تکلیف و بے بسی کا احساس تک نہیں رہتا غالباً ایسے ہی دلوں کا حال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً ؕ (البقرہ: ۷۴)

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کڑے۔

اہل منصب حضرات بالعموم سرکاری ملازمتوں کے درمیان اپنے منصب کے زعم میں اس قدر بے اعتدالیاں کرتے ہیں کہ شیطان بھی ان سے پناہ مانگتا ہوگا۔ مالی معاملات تو پوچھئے نہیں کہ بس نہیں چلتا کہ سب مال خود ہڑپ کر جائیں اور باقی سب ان کے سامنے ترستے رہیں۔ اساتذۂ کرام کے حوالے سے بتاتا چلوں کہ اساتذۂ کرام اپنے نظریات کے حامی شاگردوں کو بعض اوقات پوزیشن دلوانے میں اس قدر زیادتی کرتے ہیں کہ ایک اچھا طالب علم جو کہ مستحق ہوتا ہے اس کو نیچے گرا دیتے ہیں اور اپنے من پسند طالب علم کو سپر سیٹ کرتے ہوئے آسمان پر پہنچا دیتے

ہیں لی۔ اگر صفحات اجازت دیں تو ہزاروں مثالیں ثبوت کے ساتھ قلمبند کردوں اس کے باوجود یہ معزز طبقہ معاشرے میں بلندی چاہتا ہے۔ ہمارا معاشرہ تو استاد کو بہت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ یہ پیشہ معلمی سنتِ رسول ﷺ ہے مگر ہمارے کردار نے خود کو معاشرہ کی نظر میں گرالیا ہے۔

حضرت مسعود ملت اسی معاشرہ کے ایک استاد ہیں کہ جن کا دورانیۂ ملازمت ۳۰ برس سے بھی زیادہ ہے مگر انہوں نے ایک ماڈل استاد کا کردار معاشرہ کو دیا ہے کہ آپ نے کبھی بھی ملازمت کے دوران کسی بھی ملازم اور ماتحت کو ڈانٹا تک نہیں، نہ کسی ملازم کو برطرف کروایا، نہ ہی کسی ملازم کو ضد میں آکر سزا دینے کے لئے دور دراز علاقوں میں تبادلہ کرایا۔ نہ کسی ملازم سے ناراض ہونے کے بعد اس کی فائل غائب کی نہ ہی کبھی کسی طالب علم کو جان بوجھ کر فیل کیا اور نہ ہی کسی طالب علم کو چاہے ان کا مرید ہی کیوں نہ ہو غیر ضروری مراعات سے نوازا۔ آپ نے اپنے رب کے دیئے ہوئے منصب کے ساتھ انصاف کیا، ہر حق دار کو اس کا حق دلوایا اور کبھی اس کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنے نہ کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی حالانکہ آپ کے خلاف لوگ سازشیں کرتے رہتے جس کے باعث آپ کا دوران ملازمت ایسی ایسی جگہ کالجوں میں تبادلہ ہوا ہے جسے لوگ مالٹا کی اسیری سے تعبیر کرتے ہیں مگر آپ نے ان لوگوں کے خلاف بھی کبھی کوئی شکایت ریکارڈ نہ کروائی کہ آپ جس سلسلے سے وابستہ تھے اس کے ایک عظیم شیخ یعنی شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی سیرت کو اپنایا کہ جب آپ کو جہانگیر بادشاہ نے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا تو آپ نے اپنے کسی مرید کو اجازت نہ دی کہ ہمیں باہر لانے کی کوشش کی جائے بلکہ اپنے مکتوبات کے ذریعہ یہ پیغام دیا کہ یہ سب معاملات اللہ کی جانب سے ہیں جہانگیر کی کہاں طاقت کہ ہم کو قید و بند میں رکھے اللہ تعالیٰ نے کچھ کام لینا ہوگا اس لئے اس نے یہاں ہم کو رکھا چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ نے قید و بند کے درمیان بھی قیدیوں کو دین کی تعلیم دی اور اکثر قیدی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے۔ قیدی قیدی نظر نہ آتے تھے بلکہ وہ اچھے انسان بن گئے۔ شاید مسعود ملت کے سامنے بھی یہ بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے جو ایسی جگہ تبادلہ کیا ہے اس میں ان کی حکمت ہوگی اور حکمت یہ رہی کہ مسعود ملت نے ان مقامات پر سکون سے بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام کیا جس کی اشاعت کے بعد اس کے ثمرات معاشرہ میں نظر آرہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان تو انسان کے لئے برا سوچتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے لئے اس میں بھی ان کی فلاح کا بندوبست فرمادیتا ہے۔ اساتذہ برادری طالب علموں کو برا کہتے ہیں، معاشرہ پر تہمت لگاتے ہیں مگر اپنے عیبوں پر نظر نہیں ڈالتے مگر حقیقت یہ ہے جو خود اچھا ہوتا ہے وہ برے معاشرہ میں رہ کر بروں کو اچھا کرتا ہے اور جو خود ہی اچھا نہ ہو وہ بروں کو کیسے اچھا کرسکتا ہے۔ حضرت مسعود ملت نے اپنے کردار سے سندھ کے اکثر کالجوں میں ملازمت کے دوران ان طالب علموں کو درست کیا جو طالب علم اساتذہ کی مارکٹائی میں دیر نہ لگاتے تھے مگر ڈاکٹر صاحب کے کردار کے سامنے ان کے ہتھیار نہ چل سکے بلکہ ڈاکٹر صاحب کا ہتھیار ''حسن اخلاق'' ان پر کاری ضرب لگا گیا جس کے باعث وہ راہ راست پر آگئے۔

حضرت مسعود ملت دور حاضر میں ایک استاد کی حیثیت سے اعلیٰ نمونہ تھے۔ یقیناً جن افراد کا ان سے کسی طرح بھی تعلق رہا انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ حضرت ایک نہایت شفیق استاد تھے اور دوران ملازمت کسی بھی طالب علم کو یا ان کے ہم منصب اور ہم عصر اساتذۂ

رام کو یا ماتحت عملے کے ارکان کو کبھی ان سے شکایت نہ ہوئی اور خود انہوں نے اپنی ذات سے کسی کو بھی مالی، ذہنی یا قلبی تکلیف نہ دی۔

مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ حضرت کے ایک Ph.D کے شاگرد تھے اور کافی عرصے سے وہ حضرت کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ لکھنے میں مصروف تھے۔ کافی عرصے کے بعد وہ اپنا ایک باب مکمل کر کے حضرت کو دکھانے لے گئے۔ حضرت کے سامنے پیش کرنے کے بعد ان سے گزارش کی کہ اس کو ابھی مطالعہ کر کے مجھے واپس کر دیں۔ حضرت نے بغیر چہرے پر شکن لائے اس کا سرسری مطالعہ کیا اور عرض کیا کہ یہ معیاری کام نہیں ہے اس میں یہ یہ خامیاں ہیں اور اس کو دوبارہ لکھ کو میرے پاس لائیے۔ اب طالب علم کے چہرے پر شکن آنا شروع ہوگئی اور عرض کرنے لگے سب سپروائزر تو آنکھ بند کر کے طالب علم کے لکھے کو قبول کرتے ہوئے اس کو مزید کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں آپ نے تو اس کو غیر معیاری قرار دیا ہے۔ اس کے بعد طالب علم نے مزید جرأت سے کام لیا اور فرمانے لگے ارے سر آپ بھی سب کی طرح میرے کام کو قبول فرمالیں آپ جس طرح تحقیق کر رہے ہیں یہ میرے بس کی بات نہیں میں تو سمجھا تھا کہ آپ بھی دھکم پیل کی طرح میرے کام کو قبول فرمالیں گے۔ اس کے بعد حضرت نے مجھ کو فون پر فرمایا کہ مجید اللہ آپ ان صاحبزادے سے فرمادیجئے کہ اپنا سپروائزر بدل لیں میں اس الٹے سیدھے کام کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ احقر نے ان کو فون کیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے آپ کو اجازت دی ہے کہ سپروائزر بدل لیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب آپ کے غیر معیاری کام کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ قارئین کرام آپ نے ڈاکٹر صاحب کا اخلاق ملاحظہ کیا کہ طالب علم سے ایسی کوئی بات نہ کی اور نہ خود کسی قسم کے غصے کا اظہار کیا اور نہ اس کا Ph.D کا تھیسس رد کا ورنہ ایسی گفتگو کے بعد ہم نے دیکھا ہے کہ سپروائزر اپنے طالب علم کو رلا کر رکھ دیتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے اس طالب علم کے کیریئر کو خراب نہ کیا ان صاحب نے دوسرا سپروائزر منظور کروا کر Ph.D کی اعلیٰ سند حاصل کر لی مگر اندازہ لگا لیجئے کہ وہ کتنا معیاری کام ہوگا اور اس استاد نے تحقیق کے ساتھ کیسا انصاف کیا ہوگا۔

حضرت مسعود ملت ایک بہت اعلیٰ معیار کے سلیقہ شعار انسان اور استاد تھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے حضرت کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ آپ سب ہی کو ہر سلیقہ سکھاتے تھے۔ جو سیکھنا چاہتا تھا اس نے حضرت کی صحبت میں بیٹھ کر ہر ہر ادا میں بہت کچھ سیکھا اور حضرت نے سکھایا۔ اس کی دو مثال دینا چاہوں گا۔

حضرت نے اپنے گھر میں ہمیشہ نابالغ بچہ جس کی عمر ۹۔۱۰ سال کی ہو ملازم رکھا اور جب سن شعور کو پہنچا تو آپ نے اس کو اپنے کسی ارادت مند کی فیکٹری یا آفس میں رکھوادیا کیونکہ بالغ مرد گھروں کے اندر نہیں رہ سکتا اس لئے جو بچہ بھی رہتا وہ دو، چار سال سے زیادہ خادم کی حیثیت سے نہیں رہتا۔ پھر اس بچے کو نماز سکھاتے، نعت پڑھنا سکھاتے اور بعض دفعہ اپنی مجالس میں نعت بھی پڑھوا لیتے اس کو لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے کا سلیقہ سکھاتے اس کو لوگوں کے سامنے دسترخوان بچھانے کا سلیقہ سکھاتے گویا وہ ملازم کی حیثیت میں نہیں ایک شاگرد کی حیثیت سے گھر میں رہتا اور جب بڑا ہوتا تو اس کو کوئی مناسب جگہ ملازمت دلوادیتے۔ اہل ثروت اور اہل منصب ذرا خیال کریں کہ وہ ملازموں کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔

حضرت مسعود ملت کے زیر نگرانی کئی اشاعتی ادارے کام کر رہے تھے جو حضرت کی تصانیف کو شائع کرتے ہیں حضرت نے

کبھی بھی کسی تصنیف کی اشاعت پر اپنے اداروں سے اور نہ ہی کسی اور ادارے سے ایک پائی بھی معاوضہ کے طور پر وصول فرمائی اور اگر Royalty وصول کرتے تو حضرت اپنی کتابوں کی بہت زیادہ مانگ ہونے کے باعث لاکھوں روپے کماتے مگر جو دین کی خدمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے کر رہا ہو اس کو ان روپوں کی کیا ضرورت اس کا مشن تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا یہ شعر ہوتا ہے۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضاؔ تم پر کروڑوں درود

راقم نے متعدد دفعہ دیکھا کہ اشاعتی اداروں کے لوگ حضرت کے پاس آئے ہوئے ہوتے اور حضرت ان کو اشاعت کے ہنر سکھا رہے ہوتے ان کو بتاتے کہ کس طرح پیرا گرافنگ کرنا ہے کون سا اور کس نہج کا ٹائٹل کس کتاب کے لئے بہتر رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک سکھایا نہ جائے تو بغیر اس کے انسان کس طرح سامنے والے سے اچھائی کی امید رکھ سکتا ہے۔ کاش کہ حضرت مسعود ملت کے اس پہلو کو تمام اساتذۂ کرام اپنے عمل میں لائیں تو ہر طالب علم درست ہوسکتا ہے تب معاشرہ ایک صاف ستھرا ماحول پیش کرے گا۔ یہ بات کہنا آسان ہے کہ طالبعلم ہی خراب ہیں مگر اگر طالب علم اساتذۂ کرام کو خراب کہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا۔ یہ احقر کا ۳۲ سال کا تجربہ ہے کہ طالب علم استاد کی ایک ایک ادا کو نوٹ کرتا ہے اس کے کردار کا محتسب اس کا شاگرد ہوتا ہے اس لئے استاد کو شاگردوں کے سامنے پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہئے کہ جو شاگرد دیکھے گا وہی عمل میں لائے گا اس لئے احقر کے نزدیک نہ معاشرہ خراب ہے اور نہ ہی طالب علم بلکہ سکھانے والے اس معیار کے باقی نہ رہے کہ معاشرہ اور معاشرے میں رہنے والے ایک مہذب لوگ کہلا سکیں۔ احقر اس سے اختلاف نہیں کرے گا کہ معاشرے کو درست کرنے میں معاشرے کے اور لوگوں کا بھی اہم رول ہوتا ہے مثلاً علمائے کرام، سیاستدان، سماجی خدمت گار اور سب سے بڑھ کر ایک خاندان کے سرپرست یعنی ماں باپ لیکن معاشرے کے یہ تمام افراد اپنے بچوں کو اساتذۂ کرام کے پاس ہی بھیجتے ہیں اور ان سے امید رکھتے ہیں کہ اساتذہ کرام ان کی صحیح سمت میں رہنمائی کریں گے مگر نتیجہ غیر معیاری نظر آتا ہے اس کی بنیادی وجہ اساتذۂ کرام کا کردار ہے۔ اساتذہ کرام کی عدم دلچسپی اور عدم توجہ کی وجہ سے معاشرے کے یہ افراد معاشرے کے لئے اچھا ماحول پیدا کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ کاش کہ حضرت مسعود ملت کے کردار کو آج کے اساتذۂ کرام اپنالیں تو یہ معاشرہ پھر سے ایک عمدہ معاشرہ بن سکتا ہے لیکن کیا کریں کہ ایسے لوگ معاشرہ میں کم ہی نظر آتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا۔

خدا کے ڈھونڈنے والے جہاں میں تھوڑے ہیں
کہ اپنے بندے نرالے جہاں میں تھوڑے ہیں
غنیؔ ہیں پیر طریقت تو سینکڑوں لیکن
مرید کو جو سنبھالے جہاں میں تھوڑے ہیں

خداوند کریم سے دعا ہے کہ سب سے پہلے مجھے حضرت مسعود ملت کی طرح ایک اچھا باکردار استاد بننے کی توفیق عطا فرمائے اور دوسروں کے کردار پر نظر رکھنے کے بجائے اپنے کردار کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ حضرت کے حسن اخلاق اور کردار کو اپنانے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

# مسعودِ ملت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: مولانا محمد شعیب قادری☆

حسنِ کامل بے نیاز از منت مشاط گاں
کاملاں را جبہ و دستار نیست

قرآن کریم فرقان حمید کی سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن کی شناخت وتعارف دیا گیا کہ رحمان کے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔ عباد الرحمٰن کی صفت تواضع و عاجزی و انکساری بتائی گئی ہے۔ دورِ حاضر میں ڈاکٹر مسعود احمد میں یہ صفت خوب پائی جاتی تھی۔ ان سے آخری نشست بھائی محمد جاوید قادری برادر مکرم بھائی عبد اللطیف قادری کے مکان پر واقع سالانہ جلسہ محفل میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) منعقدہ ۲۰/اپریل ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔ اس محفلِ مبارکہ میں آپ کئی سالوں سے بحیثیت مہمانِ خصوصی اور آخری خطاب کے لیے تشریف لاتے تھے۔ اکثر برادر محمد جاوید قادری حضرت کو جب دعوت نامہ دینے جاتے تو راقم کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ امسال جب دعوت دینے حاضر ہوئے تو حسبِ معمول حالاتِ حاضرہ اور موجودہ اہلسنّت و جماعت کے حوالے سے کئی سوالات کئے جس کا مقصد ایک صاحب بصیرت ہستی سے راہنمائی لینا تھا۔ چنانچہ نمازِ مغرب حضرت کی امامت میں ادا فرمائی۔ حضرت خوب مہمان نواز تھے۔ عاجزی کا یہ عالم کہ راقم سے اصرار کیا کہ امامت میں کروں لیکن میں ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا باعثِ برکت جانتا تھا۔ برادر محمد جاوید کو حضرت نے مزید ایک بات ارشاد فرمائی کہ آئندہ آپ اس پروگرام میں بطور مہمان مقرر ڈاکٹر مولانا محمد رضوان نقشبندی کو مدعو کیجئے گا۔ حضرت کا اس پروگرام کے دس دن بعد وصال کر جانا اور برادر محمد جاوید قادری کو ہدایت فرمانا، اس بات سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت کو کچھ اشارات اپنی موت کے حوالے سے مل چکے تھے جبکہ ایسی کوئی بات اس سے پہلے نہیں فرمائی تھی۔ اس پروگرام کے آخر میں دعا جہاں خود فرمائی وہاں محفل میں موجود مولانا اشرف الحامدی، خطیب امام نوری مسجد، علی آباد، کراچی اور حضرت علامہ مولانا محمد اسمٰعیل رضوی ضیائی، شیخ الحدیث، دار العلوم امجدیہ اور مفتی خالد محمود کاغانی، خطیب و امام، جامع مسجد میمن، صادق آباد سے بھی کروائی۔ یہ تقسیم آپ کی عاجزی وانکساری کو ظاہر کرتا ہے۔

### ڈاکٹر صاحب کی قرأتِ قرآن کے حوالہ سے احتیاط:

ڈاکٹر صاحب میں ایک خاص خوبی یہ تھی جو کہ عام مقررین میں نہیں ہوتی کہ آپ باقاعدہ تقریر تیار فرما کر تشریف لے جاتے اور موضوع سے متعلق آیات کو لکھ کر لاتے تھے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ میں قرآنی آیات کو دیکھ کر صحیح پڑھوں اور کسی قسم کی قرأتِ قرآن میں غلطی نہ ہو۔ قرأتِ قرآن کے بارے میں آپ کی یہ احتیاط مثالی اور لائقِ تقلید ہے اور اس سے ان کی خدا خوفی کا بھی احساس پتہ چلتا ہے۔

### ناصحانہ اسلوب:

قرآن کریم میں وعظ ونصیحت اور تبلیغ کا طریقہ کار اور اسلوب بیان کیا گیا کہ تم اللہ کی راہ کی طرف حکمت یعنی نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے وعظ ونصیحت میں اس فرمانِ عالیشان کی پابندی خوب نظر آتی تھی۔ آپ کی گفتگو کا سامعین پر اثر ہوتا تھا اور سامعین آپ کی گفتگو کو پوری توجہ وانہماک کے ساتھ سماعت کرتے تھے۔ آپ عقائد حقہ کو بڑی جرأت اور دلائل کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ آپ کی اثر آفرینی کا ایک واقعہ جو آپ نے خود بیان کیا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب اُن سے ملے جنہوں نے کچھ بدعقیدہ لوگوں کی محافل میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا اور وہاں سے بننے والے ذہن کا اظہار کیا تو

☆ ریسرچ اسکالر، جامعہ کراچی وخطیب جامع مسجد گلفشاں [illegible]

آپ نے فرمایا ''میں نے ان سے کہا کہ آپ کو یہ پتا ہے کہ آپ جن لوگوں کی مجلس وعظ میں جاتے ہیں ان کے پاس جانے سے آپ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت کا سلسلہ مضبوط ہوا یا کمزور تو انہوں نے صاف بتایا کہ سلسلۂ محبت وعقیدت میں کمی آرہی ہے تو آپ نے فرمایا پھر آپ کا دین وایمان مضبوط نہیں ہو رہا بلکہ کمزور ہو رہا ہے۔'' آپ کے اس اندازِ اصلاح کا سامع پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ اسی طرح آپ کی تحریر میں بھی درشتگی و جبر واکراہ نہیں تھا بلکہ آپ بڑی نرمی ومحبت کے ساتھ اپنا پیغام پھیلاتے رہے۔

## امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے آپ کی خدمات:

برصغیر پاک و ہند میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ وہ متبحر عالمِ دین گزرے ہیں کہ جن کے علم وفضل کے آگے سب سرنگوں نظر آتے ہیں۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

لیکن امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے چاہنے اور ماننے والے زیارتِ مزارات تک محدود ہوتے چلے گئے اور برصغیر کی وہ ہستی کہ جسے ۵۵ علوم پر دسترس حاصل تھی، اس کے چاہنے والوں کو سازش کے ساتھ بدعقیدہ لوگ بدعتی، قبر پرست اور جاہل کہنے لگے۔

ان حالات میں مردِ قلندر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ایک اہم کام کیا کہ دنیائے اسلام کی درسگاہوں میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے کمال علم وفضل کا پرچم بلند کیا۔ چنانچہ آپ اپنے اس عزم میں خوب کامیاب ہوئے اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، جس کے آپ سرپرست تھے، اس کی طرف سے پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش اور جامعہ ازہر، مصر میں طلبہ و طالبات کو امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر تقریباً ۲۵ سے اوپر پی۔ایچ۔ڈی کروائیں۔ یہ وہ خاموش تحریک ہے کہ جس کے بانی اور موجد آپ ہیں، اس طرح علمی حلقوں میں برصغیر کی اس عظیم مفکر وعلمی ہستی پر جو مخالفین کی طرف سے اور اپنوں کی بے اعتنائی سے گرد پڑ رہی تھی اس کو دھو دیا۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت کو اجاگر کرنے والوں میں آپ کا کام سب سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ آپ کی انہی خدمات کی وجہ سے آپ کو ماہرِ رضویات کا خطاب بھی ملا۔

## مسعودِ ملت اور ان کے معتقدین:

انسان کے پاس جو کچھ بھی علمی وفکری صلاحیت ہے، سب اللہ رب العالمین کی عطا کردہ ہے اور کوئی ان صلاحیتوں کا بروقت اور برمحل استعمال کرتا ہے اور اکثریت اپنی صلاحیتوں کو ضائع کردیتی ہے۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات میں ضخیم اور پندرہ جلدوں پر مشتمل تالیف ''جہانِ امام ربانی'' بھی ہے۔ آپ اور آپ کے حلقے کے لوگوں کی اس کاوش و کوشش کو دیکھ کر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے حوالے سے ایسا مفصل اور جامع کام پچھلے چار سو سالوں میں نہیں ہوا جو آپ نے اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے کردیا۔ آپ نے جمیع امت میں ایک تسلیم شدہ مجدد پر کام کرکے امت کے ذمہ ایک بڑے فرض کو اتارا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے، آپ کی تصنیفات و تالیفات کو عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی اجراء کیا گیا ہے جس سے آپ کا پیغام عرب ویورپ وامریکہ میں بھی پہنچا ہے۔ اس طرح پیغام رسانی کے حوالے سے آپ ایک بین الاقوامی شخصیت کے حامل تھے۔ ان تمام حقائق اور خدمات کے اعتراف کے باوجود میں آپ کے حلقہ کے لوگوں سے عرض کروں گا کہ ''اس صدی کا مجدد کون؟'' کی تحریک میں آپ دوڑ نہ لگائیں کیونکہ۔

حسنِ کامل بے نیاز از منت مشاطہ گاں
کاملاں را جبہ و دستار نیست

# مسعودِ ملت کی نگاہ میں مکتوب نگاری اور مضمون نگاری

مولانا مفتی احمد میاں برکاتی☆

۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو فقیر مکۂ مکرمہ میں تھا۔ حرم شریف کی حاضری کے بعد، ہوٹل میں آیا ہی تھا کہ کراچی سے برادرِ دینی الحاج محمد اشفاق قادری کا فون آیا، اور انہوں نے سانحۂ ارتحال کے اس عظیم حادثہ کی خبر دی اور بتایا کہ کچھ دیر بعد نمازِ جنازہ ہے۔ اسی وقت جو کچھ پڑھا تھا، ایصالِ ثواب کیا، آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔ حرم شریف میں دعائے بلندیٔ درجات کی، اور ایک دعا لاکھ دعائیں بن کر، یقیناً قبول ہوئیں...... میں نے مضمون نگاری اور مکتوب نگاری، حضرتِ مسعودِ ملت سے اس وقت سیکھی، جب فقیر ماہنامہ ''ترجمانِ اہلِ سنت، کراچی'' میں، مدیرِ معاون کے طور پر مصروفِ عمل تھا۔ حضرت نے ایک مضمون، صرف اسی موضوع پر لکھ کر عنایت فرمایا تھا کہ مضمون نگاری اور مکتوب نگاری میں کونسی علامت کے استعمال سے مضمون میں قاری کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ علمائے متقدمین ومتاخرین نے اپنی تحاریرِ مبارکہ میں علامات کو ضروری نہ جانا کہ اس دور کے قارئین پڑھنے کے انداز سے بخوبی واقف ہوتے تھے...... آج کے قاری کو سہل پسندی لاحق ہے وہ ایک ایک جملے اور کلمہ کو، واضح اور ممتاز چاہتا ہے...... اسی بنا پر محقق ومدقق پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے، علامات کے استعمال پر ایک تحقیقی مضمون سپردِ قلم کیا جو ماہنامہ ترجمانِ اہلِ سنت میں شائع ہوا۔ مسعودِ ملت نے اس مضمون میں، مضمون نگاری کی تمام علامات کو بالتفصیل اور بالوضاحت جمع فرمادیا، جن میں خصوصیت کے ساتھ، علامتِ وقفہ، سکتہ، سکوت، فجائیہ، استعجابیہ، استفہامیہ، تسلسل، قطع، ممتاز، منفرد، کو سمجھادیا، قوسین اور واوین کا استعمال بتایا۔ خود ان کی اپنی تحریروں میں، جب یہ علامات دیکھتے ہیں، تو پڑھنے کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔ جب وہ لمبی لکیر...... دے کر کلام میں طویل وقفہ دیتے ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ قاری جب پڑھتے ہوئے تھکن محسوس کررہا ہے تو درمیان میں اسے ایک ٹھنڈا اور شیریں گلاس پینے کو مل گیا...... یا کافی کی بھرپور پیالی ہاتھ آگئی...... مسعودِ ملت سے پہلا باقاعدہ رابطہ، اس وقت ہوا جب والدِ گرامی خلیلِ ملت علامہ مفتی محمد خلیل خاں القادری البرکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان نے عورتوں اور بچوں کے لئے ایک کتاب ''بہارِ نسواں'' لکھی اور مسعودِ ملت سے فرمائش کی کہ وہ حضرت اس پر چند کلمات تحریر فرمائیں، ڈاک سے رابطہ ہوا۔ حضرت نے چند ہی روز میں ایک خوشنما اور خوش ذوق تقریظ لکھ کر، ارسال فرمادی، بعد میں مسعودِ ملّت کی خواہش، اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ کے اصرار پر ''بہارِ نسواں'' کے حسن میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور یہ کتاب ''سنی بہشتی زیور'' کے نام سے دس گنا اضافہ کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئی۔ یہ تقریظ اب بھی ''سنی بہشتی زیور'' کی زینت ہے۔

جب فقیر نے تعلیم کے آخری سالوں میں ۱۹۷۲-۱۹۷۳ء میں ایک مصری محقق عالم کی کتاب ''الاختراعات العصریۃ لما اخبر بہ سید البریۃ'' کا اردو ترجمہ ''اسلام اور عصری ایجادات'' کے نام سے کیا، اور پوری کتاب قسط وار، ماہنامہ ''ترجمانِ اہلسنت'' کراچی میں چھپ گئی، تو استاذ المکرم حضرت جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اس کتاب کو الگ سے طبع کرایا جائے، چنانچہ حضرت کے حسبِ ارشاد، پوری کتاب اولاً، مسعودِ ملت کی خدمت میں روانہ کی اور ان سے استدعا کی کہ کتاب پر بطورِ تقدیم چند کلمات تحریر فرمائیں۔ حضرت نے کتاب سامنے رکھ کر تقدیم کی شکل میں ایک مکمل ''غیبی خبرنامہ'' تحریر فرمایا، جس میں پوری کتاب کا خلاصہ تھا۔ ''اس تقدیم'' نے، فقیر کے ترجمہ میں چار چاند لگادیے۔ بحمد اللہ یہ مضمون ابھی تک کتاب میں مسلسل طبع ہورہا ہے...... فقیر کا

☆ دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد۔

رابطہ مسلسل رہا۔ اور محبت نامے، شفقت نامے، نوازش نامے، فقیر کے نام برابر آتے رہے، جو فقیر کے پاس متفرق فائلوں میں محفوظ ہیں......
حضرتِ خلیلِ ملّت کے وصال کے بعد، جب فقیر نے حضرت کا دیوان ''جمالِ خلیل'' کے نام سے مرتب کیا تو حضرت سے مختصراً عرض کیا کہ دیوان شائع کر رہے ہیں، کچھ تحریر فرما دیں۔ مسعودِ ملّت نے دو صفحات کا خاکہ فوری طور پر تحریر فرما کر، ارسال فرما دیا۔ فقیر نے پھر حضرتِ مسعودِ ملّت کو خلیلِ ملّت کا مکمل دیوان پیش کیا، فرمایا پہلے بھیج دیتے تو اس کو سامنے رکھ کر لکھتا، مگر اب بھی لکھوں گا۔ پھر آپ نے دیوان کے مکمل حصوں میں نگاہ ڈالی اور ایک بھرپور مضمون قلمبند فرمایا، جس میں ایسے نکتے استنباط فرمائے جو کبھی فقیر کے بھی خیال میں نہ آئے تھے۔ مسعودِ ملّت علیہ الرحمۃ نے شعری اصناف اور محاوروں کا استعمال بھی منتخب فرما کر واضح فرما دیا کہ خلیلِ ملّت ایک قادر الکلام شاعر تھے اور اُن کا شمار شعر وسخن کے اساتذہ میں کیا جانا چاہیے...... فقیر قادری کا خیال ہے کہ اگر خلیلِ ملّت علیہ الرحمۃ بھی اس تقدیم کو دیکھتے تو نہایت محظوظ ہوتے اور مسعودِ ملّت کے قلم کو آنکھوں سے لگاتے۔ ایک مرتبہ ایک حساس مسئلے پر، فقیر نے حضرت کو خط لکھا، تو حضرت خط کے جواب میں بہ نفسِ نفیس خود سکھر سے حیدرآباد تشریف لے آئے اور مسئلے کے حل کی جان توڑ کوشش کی مگر وہ مسئلہ حل نہ ہوا اور آج تک لاینحل ہے۔

حضرتِ مسعودِ ملّت علیہ الرحمۃ، جب کبھی فقیر کو مکتوب لکھتے یا جواب لکھتے تو کبھی ''اخی المکرم زیدت عنایاتھم'' اور کبھی ''برادرِ مکرم زیدت فضائلھم'' کے محبت بھرے کلمات سے نوازتے...... اور اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ ''احقر'' لکھتے۔ یہ اُن کا بہت عظیم اور نفیس ''بڑا پن'' تھا۔ جو اپنے چھوٹوں پر اس طرح کا کرم فرماتے تھے...... حضرتِ مسعودِ ملّت سے پہلی ملاقات، ٹھٹھہ میں ہوئی، جب شدید گرمی میں چند دوستوں کے ساتھ، فقیر، گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ میں، حضرت کی زیارت کو حاضر ہوا۔ جب تک دیکھا نہ تھا فقیر کے ذہن میں، ان کا نقش، عام کالجوں کے پرنسپلز کی طرح تھا، لیکن اس ملاقات نے جو منظر کشی کی وہ آج تک قائم ہے۔ مسعودِ ملّت اس وقت ایک پرنسپل ہی نہیں بلکہ ''شیخ الکلیات'' نظر آئے...... پھر فقیر ان کی تحریریں برابر پڑھتا رہا...... والدِ گرامی علیہ الرحمۃ بھی ان کی تحاریر کی پزیرائی فرماتے تھے۔ مسعودِ ملّت کی کتابوں، رسالوں اور مضامین کی طرح، ان کے خطوط ومکاتیب میں بھی، علاماتِ تحریر نمایاں ہوتی ہیں۔ ان کے بہت سے خطوط، بجائے خود ایک مضمون یا رسالہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے فنِ تحریر میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اور وہ اپنی گفتگو، بلا کسی تکلف وتردد کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تحریر میں، سلاست بیانی...... روانی...... اور خوش ذوقی نمایاں ہوتی ہیں۔ ان کی تحریر عام قاری کے ذہن میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اگرچہ مضمون کتنا ہی خشک کیوں نہ ہو۔

وہ اپنے طرزِ استدلال میں، امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی پیروی کرتے ہیں، اور حمد وثناء کے بعد گفتگو کا آغاز آیاتِ قرآنی کے حوالہ یا تذکرے سے کرتے ہیں، اپنی بات، پڑھنے والے کے لیے، آسان بنا کر، پیش کر دیتے ہیں...... یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر عالم وغیر عالم، بلکہ ہر شعبہ سے وابستہ شخص نہایت ذوق وشوق سے پڑھتا ہے۔

یہ جو کچھ لکھا ہے ایک اجمالی خصوصیت ہے، ورنہ مسعودِ ملّت کی مضمون نگاری اور مکتوب نگاری، ایک مکمل عنوان ہے، جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

چونکہ حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری مدظلہ کا حکم تھا کہ چند کلمات لکھ کر روانا کروں اور فقیر چند دن پیشتر ہی حاضریٔ مدینۂ منورہ، عمرہ وشام کے سفر سے واپس آیا، اور ڈاک میں حضرت کا حکم نامہ موجود تھا۔ ایک، ایک مضمون ریڈیو اور ٹی وی کے لیے بھی لکھنا تھا۔ بس یہ تینوں ایک ساتھ ہی شروع کر دیے، مدلل ومحقق وباحوالہ تو اسے نہ کر سکا، بس جو کچھ تراشے ذہن میں تھے، ان میں سے چند صفحۂ قرطاس کے حوالے کیے، تا کہ اس عظیم محقق پر لکھنے والوں میں شامل کر لیا جاؤں، اسے اپنے لیے سعادت سمجھوں گا...... ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

# وصالِ مسعودِ ملّت (قدس سرہ)

تحریر: پروفیسر پیر نثار احمد جان مجددی سرہندی

وہ تاجدارِ علم و ادب، آہ! اس دنیا سے اٹھ گیا!! مَسندِ علم و عرفان ویران ہوئی۔ وہ شمعِ علم بجھ گئی جس نے اپنے آپ کو گھلا کر عالم اسلام کو منور رکھا۔ موتُ العالِم موت العالَم کا منظر ہے۔

انہوں نے قلم کی ناموس کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھا۔ کبھی اپنے قلم کو کِذب و اِفتراء سے آلودہ نہ ہونے دیا۔ جو کچھ لکھا نہایت تحقیق و تفتیش سے لِکھا اور ''سچ'' لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں کے کسی ایک جملے کو بھی کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا نہ کسی کو ان کی کسی کتاب کی تردید و تغلیظ کی جرأت و ہمت پیدا ہوئی۔ یہ ایک ایسا منفرد اور حیرت انگیز اعزاز ہے، جس میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

وہ شخصی و دینی غیرت، اِستغنا، حیا و تدبر کا پیکر تھے۔ تہذیب و نفاست و حُسنِ صورت و سیرت کا ایک حسین مرقع تھے۔ اُن کی شخصیت مقناطیسی تھی وہ لوگوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ ذرا سا کسی سے تعلق ہو جائے تو وہ اس ادنیٰ رشتہ کو تادمِ زیست قائم رکھتے تھے۔ ان کی ذات ستودہ صفات ایک ایسی چھتر چھایا تھی، جہاں غموں کی دھوپ میں جھلسی ہوئی انسانیت سکون کا سانس لیتی تھی۔

وہ اس ناچیز کے لئے برگد کا تناور درخت تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے زمانے کی کڑی دھوپ سے بچایا۔ میرے آشیاں کو آباد رکھنے کی مقبول دعائیں مانگیں۔ میرے زخموں کو اپنی بے مثال ہمدردی کے مرہم سے اچھا کیا۔ والد ماجد علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جس محبت و شفقت سے انہوں نے اس ناچیز کو حوصلہ دیا۔ اور پھر تا عُمر میرا اتنا خیال رکھا، جتنا کسی چھوٹے بچے کا رکھا جاتا ہے۔ میری ناز برداری کی، میرے تغافُل، تَساہُل اور نالائقی کو اپنی کریم الطبعی کی چادر میں چھپا دیا۔ ہر موقعہ پر میرے مُونس و ہَمدم بنے رہے۔ اپنی عنایات و عطا کا سلسلہ دراز کرتے رہے۔ اتنی فقیر نوازی فرمائی کہ فقیر اپنے آپ کو جہاں میں سب سے زیادہ امیر سمجھنے لگا۔ غم کی گھڑی ہو یا خوشی کے لمحات...... انہوں نے ہر موقعہ پر ساتھ نبھایا۔ سمجھ ناچیز کو دیکھتے ہی ان کا چہرا کھل اٹھتا تھا۔ شادابی کی حسین جھلک ہر ایک کو محسوس ہوتی تھی۔ حاضرین اور ساتھیوں میں میرا سَر فخر سے بلند ہو جاتا۔ اپنی کم مائیگی اور کم علمی بھول جاتا تھا۔ کُلاہِ اِفتخار آسماں کو چھونے لگتی۔ یہ میری آپ بیتی در حقیقت جَگ بیتی ہے۔ ابرِ کرم جھوم کر بَرسا، جَل تھَل ہو گیا۔ ہر ایک سمجھا میرے لئے برسا!!

ان میں قوتِ اِنجذاب بہت زیادہ تھی۔ ایک دفعہ جوان کی نگاہِ ناز کا نخچیر ہوا، وہ سدا کے لئے ان کا بندۂ بےدام بن جاتا۔ وہ ان ہی کا کلمہ پڑھنے لگتا۔ محفل میں بس ان کے ذکر سے اسے مزا آنے لگتا۔ موضوع کو پھیر کر ان کا ذکر کرنے لگتا۔ لوگ دیوانگی کی حد تک ان کو چاہنے لگتے۔ فرزانگی کے تمام آثار منسوخ اور مُعطل ہو جاتے ؏

روز آ کر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے!! (جگر)

وہ مٹتی ہوئی اسلامی تہذیب و ثقافت کے عملی مُظہر تھے۔ ان کی نظر میں رشتوں کی بڑی اہمیت تھی۔ ساری زندگی وہ رشتوں کو جوڑتے رہے، تعلق کو بڑھاتے رہے۔ رشتوں کے کمزور نازک دھاگے کو فولادی تار میں تبدیل کرتے رہے۔ انہیں بنانا ہی آیا بگاڑنا نہیں آیا۔ وہ وَصل کے قائل تھے فَصل کے نہیں۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے شاید آپ ہی کے لئے فرمایا تھا:

''چلو چلو کپڑا بننے والوں کے پاس کہ ان کا پیار بڑا نازک ہے۔ (وہ) سارا دن (دھاگے کو) جوڑتے رہتے ہیں۔ انہوں نے تعلق توڑنا کبھی نہیں سیکھا۔''

یہ اولیاء اللہ بھی عجب مخلوق ہوتے ہیں۔ سب کے غم و آزار خود لے لیتے ہیں اور اپنی خوشیوں کو ان میں بانٹ دیتے ہیں۔ ہمارے حضرتِ ممدوح علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حال تھا۔ اب ان کا مرقد منور مرجع خلائق ہے۔ لاریب! سکون کی تلاش انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ دل کی بات اغیار سے نہیں دلدار سے کی جاتی ہے۔ چاہے وہ دنیا سے پردہ فرما گیا ہو۔ لوگوں کی چاہت اور محبت فزوں تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ وہ قندیلیں ہیں جنہیں اٹھا کر راہرو تیرہ و تار راہ کو پار کرتے ہیں۔ ان کے وجودِ مسعود سے خوشبو کی لپٹیں نکلتی ہیں جو مشامِ جاں کو معطر کرتی ہیں۔ مضطرب دل ٹھر جاتا ہے اور ہموار سانس لینے لگتا ہے۔

اگر چہ وہ صاحبِ قرطاس وقلم تھے اور بالعموم ایسے افراد فنِ تقریر کا حق کماحقہٗ ادا نہیں کر سکتے۔ مگر ہمارے حضرتِ ممدوح علیہ الرحمۃ جب بھی آمادۂ تقریر ہوئے تو تحریر سے بڑھ کر مزا آیا۔ تقریر کا ہر لفظ سامع کے دل میں جاگزیں ہو جاتا۔ ہوا ٹھہر ٹھہر جاتی، ایک سماں بندھ جاتا، کائنات گوش بر آواز ہو جاتی۔ الفاظ چوں کہ اپنی پوری قدر و قیمت اور حزم واحتیاط سے ادا ہوتے اور پھر آپ کو جذبِ مسلسل اور سوزِ دروں الفاظ کے نشے کو دو آتشہ کر دیتا۔ تقریر کرتے وقت عالم سے زیادہ آپ عارف معلوم ہوتے۔ عجیب عجیب نکتہ ہائے دور رس اور حکمت کے موتی الفاظ کی صورت میں آپ کی زبانِ فیض ترجماں سے نکلتے جاتے۔ اب یہ سامع پر منحصر ہوتا کہ وہ کتنے موتی سمیٹتا ہے اور کتنوں سے جیب و دامن کو بھر لیتا ہے یا خالی ہاتھ محروم اپنے گھر کی راہ لیتا ہے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر آئے دیکھے

آپ کی رحلت سے عالمِ اسلام کا کتنا بڑا نقصان ہوا؟ اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ مگر چوں کہ موتی، مونگا اور پتھر میں فرق کی تمیز نہ رہی لہٰذا کوئی ارتعاش نہیں پیدا ہوا۔ ہر ایک اپنے انا کے بت کو سجائے خود اپنی پوجا میں مصروف اور منہمک ہے۔ اور جن کے چہرے سے انہوں نے خوبصورتی کا مُلمّع اتارا اور وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا مکروہ چہرہ چھپائے ہوئے تھے۔ وہ خوش ہوئے ہوں گے۔ ابلیس کی تلبیس بھی کیا عجیب ہے؟ آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے مگر ہمہ دانی کا دعویٰ ہے! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج کل ہمارا حال عجیب ہے۔ کوئی تو علم وعرفاں کی انتہائی بلند و بالا چوٹی پر متمکن ہے، تو کوئی قعرِ جہالت کے تنگ و تاریک کنویں میں گرا ہوا۔ درمیان میں کوئی نہیں۔ ہم جیسے عاصی، صاحبانِ علم و عرفاں کے مقام سے یکسر ناآشنا، خزف کو موتی سمجھ کر گلے میں لٹکائے ہوئے ہیں اور فخر سے پھولے نہیں سما رہے ہیں۔ اگر صاحبانِ علم و فضل کی بلندی وعظمت کی طرف دیکھیں تو دستارِ فضیلت گرنے کا خدشہ ہے۔ لہٰذا ان کی عظمت و سربلندی کی طرف نہیں دیکھ رہے ہیں۔ اسی میں لوگوں نے اپنی عافیت کا پہلو تلاش کر لیا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں مئے معرفت پلانے والے پرانے بادہ خوار اٹھے چلے جاتے ہیں۔ بس آپ کا وجودِ مسعود اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ مگر افسوس! وہ بھی ہمیں داغِ مفارقت دے کر چلے گئے مگر ان کی یاد خوشبو بن کر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما!

ان کے ہر تحقیقی مقالے اور کتاب سے رہتی دنیا تک ان کی دل آویز مہک آتی رہے گی اور ساتھ ساتھ علم کے ساتھ عالمِ اسلام کے اس بے مثال محقق کی امانت اور دیانت کی یاد آئے گی۔

ان کی سب سے بڑی کرامت ان کا علمی و تحقیقی کام ہے۔ جسے دیکھ کر آدمی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ انہوں نے اتنا وقیع اور معیاری کام کیسے کیا کہ جن کی موجودہ دور میں مثال نہیں ملتی۔ جو کام بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکتے وہ اس فقیر بے نوا نے نہایت آسانی سے کر لیا۔ یہاں تک کہ ماہرِ ''رضویات'' کے لقب سے ملقب

ہوئے۔ اُن کی تحریر دیکھ کر ہمیں لکھنا آیا۔

ہم نے جو طرز فغاں کی ہے ایجاد
وہی گلشن کی زباں ٹھہری ہے
(فیضؔ)

ایک ایک لفظ امانت اور دیانت کا آئینہ دار، ایک ایک جملہ صداقت وراستی کا شاہکار۔ ہر بات کا حوالہ موجود، ہر دعوے کی دلیل حاضر، نہ سَبّ وشتم، نہ تبرّا ومشقِ ستم، سیدھی سچی بات جو پڑھتے ہی دل میں جاگزیں ہو جاتی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے!

متانت وشرافت سے اپنی بات کہنا آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اغیار کی یہ ہمت تو خیر نہیں ہو سکی کہ ان کی تغلیط کریں سوائے اس کے کہ اپنے حاشیہ برداروں کو سختی سے وصیت کریں کہ: ''پروفیسر مسعود کی کتابیں مت پڑھنا''۔ میں نے جب ایک مرتبہ تعجب سے ان سے پوچھا کہ: ''حضرت! ''جہانِ امامِ ربانی'' (رحمۃ اللہ علیہ) کا اتنا عظیم الشان کام (۱۵ ضخیم جلدیں) آپ نے کیسے کر لیا؟'' تو دل نشیں تبسم سے جواب دیا: ''حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا فیض ہے!!'' واقعی انہیں نے بزرگانِ دین اولیائے کرام کے فیض سے خزانہ وافر ملا تھا۔ ورنہ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ان کے کس کس احسان کو یاد کریں۔ ہم نے ان کی ذاتِ گرامی سے ''تقویٰ'' کو جانا۔ جو اسلام پاک کو سمجھنے کا اسمِ اعظم ہے۔ کہاں رکیں؟ کہاں بڑھیں؟ کیسے زندگانی بسر کریں؟ یہ ان سے جانا۔ انہوں نے تقوے کو حرزِ ہیکل بنا دیا تھا۔ تقویٰ مجسم آپ میں ہی دکھائی دیتا۔ اس کے چہرۂ زیبا کی جھلک آپ میں ہی عیاں ہوتی تھی۔ تقوے کی رعنائی وزیبائی اور دلکشی آپ کی ذات سے وابستہ تھی۔ اور پتہ چلتا تھا کہ تقویٰ کتنی خوبصورت چیز ہے!!

زبانِ خامہ ندارد سرِ بیانِ فراق
وگرنہ شرح دہم باتو داستانِ فراق
(حافظؔ)

''قلم کی زباں، فراق کے بیان کی طاقت نہیں رکھتی ہے
ورنہ تجھ سے فراق کی داستان کی تفصیل بیان کر دوں''

کیا واقعی وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں؟ یقین نہیں آتا دل میں جھانک کر دیکھا، وہ اسی طرح دل میں بصد ناز جلوہ فرما ہیں۔ پھر ہم کیسے مانیں کہ وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ موجود کو غیر موجود کہنا علم و آگہی کی توہین ہے!! بھلا یادوں پر کس کا زور چلا ہے؟ یادوں کا ایک ناختم ہونے والا کارواں ہے جو اپنی جلو میں طرح طرح کی حسین یادیں لے کر ذہن کے پردے پر گزر رہا ہے۔ ایک ایک یاد اتنی دلکش، اتنی حسیں کہ قافلۂ دل ٹھہر ٹھہر جاتا ہے۔

مگر قافلہ بہر کیف جارہا ہے۔ اور سارا خزانہ یادوں کا، علم و عرفاں، محبت والفت کا اپنے ساتھ لئے جارہا ہے۔

انیسؔ دم کی کسر ہے ذرا ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

کارواں جارہا ہے اور ہم جھلملاتی نظروں سے کارواں کو تک رہے ہیں۔ آنکھوں کے آگے آنسوؤں کی چادر تن جاتی ہے۔ ان آنسوؤں کو بہنے دو کہ یہ بیچارے دل کی داستان بیان کر رہے ہیں۔

جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں!!

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مسعودِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ وہ عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا قربِ خاص انہیں نصیب فرمائے۔ اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہ اور علمائے راسخین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوں اور حضرت مسعودِ ملت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کو امت مسلمہ کے لئے مشعلِ راہ بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

# مسعود ملت ماہر رضویات

تحریر: محمد نظام الدین *

تاجدار اقلیم سخن ماہر علم وفن مفتیِ اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کے گہوارۂ علم وفن کا پروردہ ونظر کردہ اور مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ کی ایک عظیم یادگار پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی عبقری شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ فکر وفن کی دنیا میں ان کی ایک الگ انفرادی شان ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں ان کی علمی کاوشوں نے ہر اہل علم وفن کو متاثر کیا ہے۔ ان کی مقناطیسی شخصیت نے ہزاروں لاکھوں تشنگانِ علم کو سیراب کیا ہے۔ ۱۹۵۷ء سے موصوف نے تصنیفی و تالیفی عمل کا آغاز کیا اور لگاتار تصنیفی وتالیفی خدمات انجام دیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تقریباً ڈھائی سو کتابیں ان کی تحریر کی شکل میں موجود ہیں جو اہل علم کے لئے انمول سرمایہ ہیں۔ ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۹ء تک ان کی دینی و ادبی خدمات رہی ہیں۔ لیکن ۱۹۷۰ء سے پروفیسر محمد مسعود احمد نے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت و خدمت کو اجاگر کرنے کے لئے قلم برداشتہ تصنیفی و تالیفی اور تحقیقی عمل شروع کیا۔ عمیق مطالعہ اور جہد مسلسل اور عمل پیہم سے امام احمد رضا کی بے داغ ومحتاط شخصیت کو متعصبین ومخالفین کے غلط پروپیگنڈے سے داغدار بنانے کی ناپاک کوششوں کو ناکام بناتے ہوئے امام احمد رضا کی شخصیت کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پروفیسر موصوف نے پیش کی۔

۱۹۷۰ء سے پہلے خود پروفیسر مسعود احمد امام احمد رضا کی شخصیت سے ناآشنا تھے اور امام احمد رضا کے متعلق غلط تصور ان کے سامنے ہمیشہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد رقمطراز ہیں:

''راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے، ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعے سے محروم رہا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوائے والد ماجد حضرت مفتیِ اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے مؤیدین سے رہا، لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور ہی عالم نظر آیا جس نے حیران وششدر کر دیا۔ اللہ اکبر! حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں، حیرانی بڑھتی ہی جاتی ہے''۔ (گناہِ بے گناہی، المجمع الاسلامی، مبارکپور، ص:۴)

پروفیسر محمد مسعود احمد مرحوم نے مظلوم مفکر اور عالم انسانیت کی عظیم ترین شخصیت امام احمد رضا پر باقاعدہ لکھنا شروع کیا، لکھا اور خوب لکھا۔ انہوں نے امام احمد رضا بریلوی کی حیات وشخصیت اور متعدد دینی، روحانی، علمی، ادبی، سیاسی، اصلاحی وغیرہ کارناموں کو اجاگر کرنے میں جو اہم رول اور کردار ادا کیا ہے وہ محض اپنوں پر ہی نہیں بلکہ بیگانوں پر بھی عیاں ہے۔ میں اگر یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ رضویات پر تحقیق وتصنیف کا جتنا زیادہ اور گرانقدر کارنامہ اب تک پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے انجام دیا ہے وہ کسی اور نے نہیں دیا۔ وہ اپنے اس عظیم کارنامے کے لئے صد شکریئے کے مستحق ہیں۔

اس تعلق سے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا تاثر ملاحظہ کیجئے۔

''مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بلاشبہ ماہر رضویات ہیں اور ان کی مساعی سے آج امام احمد رضا پر نہ صرف ہندو پاک بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی ریسرچ کے امور انجام پا رہے ہیں''۔ (دیباچہ۔ امام احمد رضا محدث بریلوی۔ مرتبہ: پروفیسر مسعود احمد، قادری کتاب گھر، بریلی شریف، صفحہ:۳)

امام احمد رضا جو گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے جنہیں کچھ

* ریسرچ اسکالر شعبۂ اردو، مہاتما گاندھی کاشی ودیاپیٹھ وارانسی، یوپی (انڈیا)

علوم وفنون پر پورا ملکہ حاصل تھا ان میں سے بہت سے فنون کے وہ خود موجد تھے اور خاتم بھی اس پر ان کی تصنیفات شاہد عدل ہیں۔ ایک ہزار سے زائد ان کی تصنیفات وتالیفات موجود ہیں جو ان کی خداداد صلاحیت کی غماز ہیں۔ محققین ومؤرخین نے ان کے ساتھ انصاف نہ کرتے ہوئے بے اعتنائی برتی اور حقائق وشواہد سے روگردانی کی گئی، ایسے نازک وقت میں پروفیسر محمد مسعود احمد مرحوم ومغفور سینہ سپر ہوکر میدان میں اتر پڑے اور حقائق وشواہد کو واشگاف کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب علم ودانش رفتہ رفتہ اس طرف متوجہ ہونے لگے۔

علمی حلقوں میں جہاں ہر شخص دم بخود نظر آتا تھا وہاں اب سب بولنے لگے اور پھر دانش گاہوں کی رونق بدل گئی۔ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ان نازک حالات کی عکاسی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''۱۹۵۷ء سے راقم مسلسل لکھ رہا ہے لیکن امام احمد رضا کی سوانح اور علمی وسیاسی خدمات کی تحقیق کی طرف ۱۹۷۰ء میں متوجہ ہوا جب یہ دیکھا کہ ارباب علم ودانش، دانستہ یا نادانستہ اس طرف سے پہلوتہی کررہے ہیں اور غلط فہمیوں کی برابر تشہیر کی جارہی ہے تو شرم وندامت کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے جس کے تلے ہمارے محققین ومؤرخین دب رہے تھے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اور یہ فرض کفایہ ادا کرنا پڑا''۔

(مکتوبات امام احمد رضا تنقیدات وتعاقبات، مرتبہ: پروفیسر مسعود احمد، صدیقی اینڈ کمپنی، نیا محل دہلی، صفحہ:۱۷)

پروفیسر مسعود احمد ایک بے لاگ محقق ہیں۔ ان کی تحقیق غیر جانب دار ہوا کرتی ہے اور تعصب کی گرد سے پاک بھی۔ دور حاضر میں ایسے غیر جانب دار محقق کم یاب ہیں۔ ان کی تحریر اور انداز بیاں دلکش ہوا کرتا ہے وہ حقائق کو اچھوتے انداز سے پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا خیال ہے:

''مجھے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شخصیت وفکر سب سے بھلی لگی کہ وہ حقائق کو بڑے سلیقے سے سامنے رکھتے ہیں ان کا اسلوب جاندار وغیر جانب دار ہے۔ ان کی تحریروں میں حقیقت پسندی اور دعوت ودردمندی کا عنصر غالب ہوا کرتا ہے۔''

(کلیات مکاتیب رضا جلد اول ۲۰۰۵، مرتبہ: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، صفحہ:۲۲)

پروفیسر مسعود احمد صاحب کی ۳۷، ۳۸ سالہ تحقیقی خدمات نے امام احمد رضا بریلوی کی تہہ دار شخصیت کو دنیا کے سامنے آئینہ کی طرح نمایاں کرکے دکھایا اور امام احمد رضا کی شخصیت کے حوالے سے سیکڑوں کتب ومقالے تحریر کئے جو امام احمد رضا پر تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

حضرت پروفیسر مسعود احمد کی حق نگاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے غلام مصطفیٰ رضوی اپنا تاثر اس طرح پیش کرتے ہیں:

''پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا قلم جہاں شگفتہ بیانی کا طرز رکھتا ہے وہیں حقائق کی نشاندہی بھی خوب ہوتی ہے۔ حق بیانی اور تحقیق کی گہرائی پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی تحریر کے اوصاف ہیں۔ آپ نے محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے سیکڑوں مقالے اور کتب تحریر کی ہیں۔''

(پیش لفظ، خوب و ناخوب۔ مرتبہ: پروفیسر مسعود احمد، نوری مشن مالیگاؤں صفحہ۱)

الغرض پروفیسر مسعود احمد نے امام احمد رضا علیہا الرحمۃ پر جو تحقیقی کارنامہ انجام دیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے ان کی تحریر ہر اہل قلم کے لئے سند کی حیثیت رکھتی ہے اپنے تحقیقی کارناموں کی بنیاد پر وہ ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ موصوف کو رب قدیر غریق رحمت کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

# آج کا دیدہ ور مسعودملت

تحریر: ڈاکٹر نبیلہ اسحاق محمد ابراہیم

یہ جہاں فانی ہے اس جہان فانی میں جو آیا ہے اسے اپنے وقت مقررہ پر اس جہاں سے رخصت ہونا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے لیے ایسے اچھے کام چھوڑ جاتے ہیں جو صدقہ جاریہ بن کر قیامت تک انہیں ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔

شاہ تاج تھا وہ، آج جو ہم سے بچھڑ گیا
پرنم ہے ہر آنکھ کہ سراج ہم سے بچھڑ گیا
کیسے ہو بیاں اس جیسے دیدۂ ور کا
روشن کیں راہیں جس نے، وہ چراغ ہم سے بچھڑ گیا

جب سے یہ کائنات آباد ہوئی ہے اس دنیا میں نیک لوگ آتے رہے اور اس دنیا کو اپنی نیکیوں سے چار چاند لگاتے رہے ہیں۔ ایسے ہی نیک لوگوں میں ڈاکٹر محمد مسعود کا نام زباں پر آتا ہے جو آگے چل کر مسعودِ ملت کہلائے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی تعریف میں جو کچھ بھی لکھا جائے وہ ناکافی ہے۔ اگر انہیں اس صدی کی بلند پایہ اور معتبر شخصیت قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی شگفتہ بیانی نے نہ صرف مشاہیر عہد کو حیرت زدہ کیا بلکہ وہ اپنی علمی کاوشوں کی بدولت آج عالمِ اسلام میں ممتاز عالم تسلیم کیے جاتے ہیں۔

۱۹۳۰ء سے جو سفر شروع ہوا آج وہ تمام ہوا۔ مگر اس سفر میں انہوں نے جو خدمات سرانجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ علوم متداولہ پر مکمل عبور ہونے کے باعث بلند پایہ شہرت کے حامل رہے ہیں۔ آپ کی شخصیت پر آپ کے دین دار والدین کی شخصیت کا اثر واضح ہے۔ آپ کی پیشہ ورانہ زندگی میں عبادت کا رنگ شامل ہے۔ گھریلو زندگی اور معاملات مشرقیت کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ نیک والد کی شفقتوں کی چھاؤں میں روحانی تربیت میں آپ کے جمالیاتی احساس کو مزید ابھارا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دنیاوی منفعت کو کبھی بھی خدمت خلق پر غالب نہیں آنے دیا۔ اب تک بے شمار تصانیف اور مقالات تحریر فرما چکے ہیں۔ حکومتِ پاکستان سے نشانِ فضیلت بھی عطا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بے شمار اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے ۱۹۷۰ء میں برصغیر پاک و ہند کے عظیم مجدد امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ پر تحقیقی کام کا آغاز فرمایا اور اس تحقیقی کام کو مزید بڑھانے کے لئے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ساتھ بزمِ اربابِ طریقت کی سرپرستی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔

آپ کا اندازِ فکر منفرد اور بے لوث ہے۔ جس میں ہموار زمینوں پر بہنے والے دریا جیسی روانی اور ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

ترجمہ: مشک وہ ہے جو خود اپنی مہک سے اپنا پتہ دے نہ کہ عطار بتائے۔

ڈاکٹر مسعود اپنے خاص اندازِ تحریر سے نہ صرف لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ ان کا اسلوب اچھوتا اور سحر انگیز ہوتا ہے۔ اگر ہم ان کی شخصیت کا تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا ڈاکٹر مسعود کی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ آپ سچے عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ آپ نے سیرت النبی ﷺ پر بے شمار تصانیف رقم فرمائیں اور حبِ رسول ﷺ کے اس پاکیزہ جذبے کا امتزاج دونوں شخصیات میں یکساں نظر آتا ہے۔ اسی طرح آپ کے خطابات سے بھی قرآنی تعلیمات کی جو سچی آگاہی اور محبت کا احساس ہوتا ہے وہی ہمیں اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔

آپ نے سچے جذبے کے اظہار کے لئے وہ پیرائے اور سانچے تلاش کیے ہیں جن کی مثال کم ملتی ہے۔ آپ نے رضویات، سیرت رسول ﷺ اور دیگر دینی موضوعات پر جو تحقیقی، علمی اور روحانی مشن شروع کیا ہے آنے والی نسلیں ان کاوشوں کی قدر و منزلت کی معترف رہیں گی۔ آپ کی اس علمی کاوش جس سے ملت کی روحانی رہبری ہو رہی ہے، کی تکمیل انشاء اللہ ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کے جانشین، رفقاء اور احباب کی زیرِ قیادت جاری و ساری رہے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔
بجاہِ سید النبی الکریم ﷺ
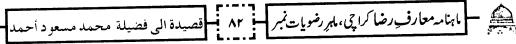
# قصيدة الى فضيلة العلامه الدكتور/محمد مسعود أحمد

**نظمها بالأرديه: دكتور نبيله اسحاق محمد ابراهيم**

**نقلها الى الشعر العربى: دكتور حسين مجيب المصرى**

اسـرة مـن اهـل عـلـم وادب
انت منها كنت فى اعلى الرتب
وابوک کان شيخ العلماء
وبارض الهند راس البلغاء
نقشبنديا بارض الهند كان
واليه كان ايماء البنان
منه كم لقنت معنى المكرومات
وكذا كل نبيل من صفات
وعلمت كتبا كيف تولف
وعرفت منه كنها للتصوف
ولباكستان قدتم القيام
فى كراتشى انت من اقام
وكراتشى مركز لكن كبير
لرضا ذكر له دوما يدور ۱
وانتمو من اعظمتو هذا الامام
اصبح المشهور ما بين الانام
اخرجوا عنه الكثير والكثير
انت من اخرجت معدوم النظير
اسمک المقرون باسم للامام
ذاک ماجد كان لكن فى دوام
انت يا مسعود فخر للبلاد
لک علم كلنا منه افاد ۲
ما كتبت عنه لكن وحده
عن عظيم وعظيم بعده
لكم الاسفار كل يعلم
عنكم الاخبار كل يفهم

ان باكستان انت من درست
كل شىء انت عنها من خبرت
وعن الاسلام انت تكتب
والى التحقيق لكن تذهب
فى علوم كم كتبت من رسائل
عنها كل العلماء فى تساؤل
انت اتقنت كثيرا من لغات
ان هذا هو احدى المعجزات ۳
ولغات الهند انت تعرف
انت بالعلام حقا تعرف ۴
انما الاردو لقد طورتها
غير شک انت قد حسنتها
اسمک الرنان فى كل الجهات
واليه الكل لكن فى التفات
كم مريد انت قد علمته
بقويم الدين قد هذبته
انت يا من عندنا خير امام
يا رعاک الله يا هذا الهمام ۵
انت يا مسعود لى منک التحية
انت مزدان بحسن للسجية

**حوالہ جات:**

۱ هو احمد رضا خان وفيه ىدرس تراثه
۲ ان له الشهرة فيه باكستان والهند على السواء
۳ انه يعرفُ العربية والفارسية والاردية والانجليزية
۴ كما انه يعرف كثيراً من لغات ولهجات الهند
۵ الهمام: اى السيد الشجاع السخِىُ

# نادرِ دہر تھے ..................پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، ممبئی

۱۹۳۰ء میں وہ آفتاب، جو دہلی کے مطلع پر طلوع ہوا تھا۔ ۲۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو کراچی کی کرچیوں میں غروب ہوگیا۔ مسجد فتح پوری میں تعلیم ہوئی، مدرسہ عالیہ نے سند فضیلت سے نوازا تھا۔ وہی فتح پوری مسجد، جہاں مفتی اعظم دہلی مولانا شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ کا علمی وعرفانی دربار سجتا تھا اور عید میلاد کے موقع پر جشن بہاراں منایا جاتا تھا۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، محدث اعظم مولانا شاہ سید محمد کچھوچھوی، شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان لکھنوی اس جشن کے مہمانان خصوصی ہوا کرتے تھے۔ کیا نور فشاں سماں ہوتا ہوگا۔

ملک کو دولخت ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا۔ حضرت مسعود ملت کی عمر ۱۸ برس تھی، ان کے بڑے بھائی مفتی محمد منظور احمد سرحد پار بیمار ہوئے۔ حضرت مسعود ملت تیمارداری کے لئے کیا گئے، وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ وہاں انہوں نے عصری تعلیم پائی، سندھ یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا۔ اول نمبر آئے۔ پی۔ایچ۔ڈی کی، گولڈ میڈل سے سرفراز ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ٹیچر بنے، لکچرار بنے، ریڈر بنے، پروفیسر بنے، پرنسپل بنے، وزارت تعلیم حکومت سندھ کے اڈیشنل سکریٹری بنے۔ بڑی محنت کی، بڑی ترقی پائی، بڑا نام کمایا۔

دہلی کی مٹی تھی، طبیعت موزون پائی تھی، نامور گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، قلم کو کیا پکڑا، قلم نے ان کو پکڑ لیا، وہ خامہ کے اور خامہ ان کا ہوکر رہ گیا۔ یہ تلازم کوئی ساٹھ سال قائم رہا۔ مذہب، ادب، سماج، صحافت، سیاست، معیشت، اقتصاد، عقائد، اخلاق، فلسفہ، تاریخ، تذکرہ، سیرت، سوانح، تصوف پر خوب لکھا۔ خوب چھپا، داد ملی، عزت ملی، شہرت ملی، پذیرائی ملی۔ ۱۹۶۷ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور میں قائم ہوئی، ان کو لکھنے کی دعوت دی گئی۔ جب حیاتِ رضا کا کورا ورق ان کے سامنے آیا، وہ ورق کیا تھا، اپنے دور کا درِ بے بہا، وہ اس کی تاب ناکی میں کھو گئے۔ سب چھوڑ چھاڑ کر اسی کو حرز جاں بنالیا، ''فاضلِ بریلوی اور ترک موالات'' لکھی، ''امام احمد رضا علمائے حجاز کی نظر میں'' لکھی، ''محدث بریلوی'' لکھی، ''حیات مولانا احمد رضا خان'' لکھی، ''حیات امام اہل سنت'' لکھی، ''سیرت اعلیٰ حضرت'' لکھی، ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' لکھی، ''امام احمد رضا اور علوم قدیمہ و جدیدہ'' لکھی، ''تنقیدات وتعاقبات'' لکھی، ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' لکھی، ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' لکھی، ''گویہ دبستاں کھل گیا'' لکھی۔ کیا کیا لکھوں، کیا کیا لکھا، کتابوں پر کتابیں لکھیں۔ مقالوں پر مقالے لکھے۔ لکھتے گئے، لکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتے گئے۔ اپنوں کی نظریں کھلیں، بے گانوں کی نظروں سے حجاب ہٹے۔ وہ ہشت پہل ہیرا، جو وقت کے غبار میں اٹا پڑا تھا، اب جو بازار علم میں آیا، تو ہر سو اسی کا سکہ کھنکنے لگا
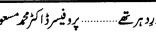
۔عصری دانش گاہوں کے وہ دروازے، جن پر ممنوع الدخول درج تھا، خود بہ خود کھل گئے ۔دنیا کی ۵۵؍ یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر تحقیقی کام جو آج ہوا یا ہو رہا ہے، یہ انہی کا رہین منت ہے۔

وہ حکیم و دانا تھے، حکمت و دانائی کی بات کرتے تھے، ایک دفعہ میری زبان سے نکلا تھا: آپ سیرت پر کام کریں۔ فرمایا: عاشق رسول (امام احمد رضا) پر کام نے سیرت رسول لکھنے کی راہ ہموار کر دی۔ یہ عشق کی جلوہ سامانی ہے۔ سیرت النبی پر لکھنا ہی اپنی سیرت وصورت سنوار سکتا ہے، مگر عاشق رسول پر کام بھی سیرت ہی کا مرکزی حصہ ہے۔ سیرت رسول پر حضرت والا کی ضخیم جلدیں تو نہیں ہیں، مگر جتنی ہیں، یکجا کر دی جائیں، تو کئی مجلدات تیار ہو سکتی ہیں۔عید کونین، عیدوں کی عید، جان جہاں، جان جاناں، جان ایمان، جشن بہاراں، محبت کی نشانی، دعائے خلیل، رحمۃ للعالمین، نظام مصطفیٰ، معارف اسم محمد، عشق ہی عشق، علم غیب، جشن ولادت، تعظیم و توقیر، قبلہ، جشن عید میلا د النبی، سلام و قیام، یہ سب سیرت ہی کے جمالیاتی وحرکیاتی پہلو ہیں۔ان تمام کتابوں کا موضوع سیرت ہے اور سب کے سب عشق اور افادیت سے لبریز ہیں۔

حضرت مسعود ملت نقشبندی تھے، ظاہر ہے، شاہِ نقشبند کے طغرائے افتخار حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ان پر حق تھا اور یہ ان کا فرض منصبی بھی۔۱۹۵۵ء میں انہوں نے سیرت امام ربانی پر ایک طویل تحقیقی مضمون لکھا، جو قسط وار 'معارف' اعظم گڑھ میں چھپا۔'منادی' دہلی نے اس پر تبصرہ کیا، بعد میں یہ مقالہ کتابی صورت میں چھاپا گیا، مطالعہ کیا، معلومات بڑھیں، مفید اضافے کیے، جواب پانچ صد صفحات پر مشتمل ہے۔ پھر وقتاً فوقتاً لکھتے رہے۔ ۱۹۹۵ء کے بعد اس طرف باقاعدہ متوجہ ہوئے۔ان کی سرپرستی میں امام ربانی فاؤنڈیشن قائم ہوا۔ پلاننگ، سسٹم اور تقسیم کار کے ساتھ ایک فعال ٹیم حرکت میں آگئی، ضخیم جلدیں ترتیب پاتی گئیں، چھپتی گئیں، ہندو پاک میں عام ہوتی گئیں۔ یہ کل ۱۴؍جلدیں ہیں، نقشبندیات پر یہ ایک انسائیکلو پیڈیا ہے۔ یہ ان کی آخری زندگی کا شاہکار کارنامہ ہے۔اس موسوعہ میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں: اگر امام احمد رضا پیدا نہ ہوتے، تو امام ربانی کی تعلیمات ختم ہو چکی ہوتیں، درحقیقت امام احمد رضا افکار امام ربانی کے حقیقی ترجمان تھے۔

مسعود ملت داعی و مبلغ تھے، استاذ و معلم تھے، مصنف و محقق تھے، مفکر و مدبر تھے، مرشد و مربی تھے، مقرر نہیں تھے، واعظ و ناصح تھے، درس و تدریس، تصنیف و تحقیق، تفکیر و تذکیر اور دعوت و ارشاد ان کا خاص میدان تھا، برصغیر سے باہر بھی کئی ملکوں میں ان کے مریدین پھیلے ہوئے ہیں۔ چوں کہ وہ تقریر نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ پیشہ ورانہ پیر و خطیب کی طرح دورے بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کی کتابیں اور تحریریں دورہ کرتی تھیں۔ عربی میں، فارسی میں، اردو میں، انگلش میں، ہندی میں، سندھی میں، پشتو میں، قبائلی میں چھپ چھپ کر ان کی کتابیں تمام جغرافیائی سرحدوں کے آر پار بناویزا و پاسپورٹ کے سرعت سے اور فرصت سے خوب خوب دورہ کرتی تھیں۔

انہوں نے کوئی مسجد، مدرسہ، ادارہ ایسا نہیں بنایا، جس

کی تولیت یا اجارہ داری کی کنجی اپنی مٹھی میں رکھی ہو، یا اپنے وارث کے ہاتھ میں دی ہو، ان کا طریقہ تھا ادھر بنایا، ادھر قوم اور کام کے لوگوں کے سپرد کر دیا۔ تحقیق و تصنیف میں نام پیدا کیا، ساتھ ہی ساتھ نہ جانے کتنے محقق و مصنف پیدا کر دیے، بیعت و ارشاد ان کا آبائی منصب تھا۔ اسے بے حد فروغ دیا، نہ جبہ، نہ کج کلاہی، نہ تاج، نہ دستار، نہ تام جھام، نہ ڈھونگ نہ سوانگ، سادہ تھے، سادہ رہے، سادگی سے گئے، جسم، لباس، گھر مکان، رہن سہن، چال چلن میں ایسی سادگی، پھر بھی لوگ آئے، خود سے آئے، کشاں کشاں آئے، کھینچے کھینچے آئے، ایسے آئے کہ اسیر ہو کر رہ گئے، بے نفس تھے، نفس کی شرارت ان کو قابو نہ کر سکی، نہ نفسانیت پاس پھٹک سکی، دنیا داری سے دور تھے، بے نیاز تھے، دولت سے نفور رہے۔ دعوت آئی، نذرانہ آیا، قبول کیا کہ یہ سنت ہے۔ لیکن اسے ضرورت نہ بنائی۔ وہ پیٹ میں آگ بھرتے ہیں، جو سنت کو ضرورت بناتے ہیں۔ انہوں نے نہ کبھی نمائش کی، نہ نمائش کی کوشش، حال کو ٹھکرایا، مآل پر نظر رکھا، ہند و پاک میں کہیں ان کی تصویر مجھے نظر نہ آئی۔ جب کہ یہ بلا آج عام ہے، خصوصاً پاکستان میں۔ وہ صدر ہوتے، مگر صدارت کی کرسی پر نہیں بیٹھتے، عام لوگوں میں ہی بیٹھ جاتے، ان کی بیٹھک چٹائی، گودری یا مصلّی پر ہوتی، آنے والوں کے لیے سامنے قالین بچھی ہوتی، بیچ میں میز، جس پر قلم، کاغذ، دوات، ربر، پنسل، شاپنر، سپیدی، بلیڈ، قینچی رکھی ہوتی۔ اردگرد، دائیں بائیں، اوپر نیچے مسودات، مبیضات، رسائل، جرائد اور کتابوں کا انبار ہوتا۔ ریکس، وال سسٹم الماریاں کتابوں سے پٹی ہوتیں، نہ صوفہ، نہ کرسی، نہ ٹیبل، نہ ڈائننگ ہال، خاکی تھے، خاک پر بیٹھے، ٹاٹ پر سوئے، لکھنا پڑھنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا سب فرشی، عرشی و عرصاتی کچھ بھی نہیں۔ یہی سنت ہے، لینا دینا بھی سنت ہے، مگر انہوں نے لیا کم، دیا زیادہ اور جو کچھ لیا، جیب میں نہیں رکھا، غربا، مساکین، بیوگان، طلبہ کی امداد اور کتابوں کی طباعت، ترسیل اور ذرائع ابلاغ پر خرچ کیا۔ فسادِ نیت سے پاک، جو دل میں، وہی زبان پر، وہی عمل میں، فسق عمل سے بیزار، جو کہتے پہلے اس پر عمل کرتے، اس پر مداومت بھی رہتی۔ جو خلوت میں ہوتا، وہی جلوت میں بھی۔ جو جلوت میں نہیں ہوتا وہ خلوت میں بھی نہیں۔ ان کے اندر انانیت بھی نہیں تھی۔ وہاں انا کو فنا کے گھاٹ کب کے گھائل کر دیا گیا تھا۔ انابت و رجوع، جو عظیم خوبی ہے، عظیم قوت ہے، وہ اس کے تاجور تھے۔ وہ رجائی تھے اور رجوعی بھی، ہرجائی نہیں تھے۔ طبیعت کی جو افتاد تھی، جلی، جمالی اور برف، نسیم، شبنم جیسی تھی، جدلی، جدالی، جلالی، نزاعی، آتشیں، شدتی، حدتی نہ تھی۔ غرض جس زاویے سے دیکھئے، ایک ہی رنگ، ایک ہی آہنگ، کہیں دورخی، دورنگی نہیں۔ لفاف و ملفوف کی ایسی ہی نادرِ دہر شفاف ہستیوں سے دنیا میں رونق ہے، انقلاب آتا ہے، قوم کی بگڑی بنتی ہے، تقدیر سنورتی ہے۔ حضرت مسعود ملت کے اچانک اٹھ جانے سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا، خدا ہمیں ان کا بدل اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

(۲ مئی ۲۰۰۸ء)

# پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علماء اور دانشور حضرات کی نظر میں

از: مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی *

ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی ذات ستودہ صفات کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ اس وقت ان کا تعارف پیش کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک ایسے عاشق رسول اور ایسی عالمگیر ہمہ جہت شخصیت کو اپنی تحقیق (ریسرچ) کا موضوع بنایا کہ جن کے نقوش تاریخ کے صفحات میں ''آبِ زر'' سے لکھنے کے قابل ہیں اس ذات گرامی کا مکمل تعارف کرانے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو اس بارگاہ فیض سے ایسا تمغہ ملا کہ اب ان کی ذات بھی انمٹ ہوگئی۔ راقم الحروف کے مقالۂ ڈاکٹریٹ پر اظہار خیال فرماتے ہوئے امام احمد رضا خاں بریلوی کے حوالے سے ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے لئے مشہور و معروف شخصیات نے جو تاثرات پیش کیے ہیں۔ انہیں تاثرات کو ذیل میں تحریر کررہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

فقیہ النفس حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر صاحب قبلہ پورنوی رقمطراز ہیں:

''پروفیسر مسعود احمد علم و تحقیق کی دنیا میں ایک معروف اور مسلم شخصیت کا نام ہے ارباب مذہب کی انجمن ہو یا یاران ادب کی بزم وہ ہر جگہ یکساں اعتبار کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور معارف رضا کی حیثیت سے تو وہ، وحدہ لاشریک ہیں یعنی اپنی نظیر آپ اسی لئے لوگ انہیں ماہر رضویات کہتے اور لکھتے ہیں۔''

(ڈاکٹر مسعود احمد حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص:۳۹)

اسی طرح سے شاہی مسجد فتح پوری کے امام و خطیب حضرت علامہ مفتی محمد مکرم احمد صاحب رقم طراز ہیں:

''وہ طالب علمی کے زمانہ ہی سے ماہ و انجم کی طرح چمکے، ملازمت کے دوران وہ جس جس ادارے میں تشریف لے گئے انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور اپنی بے لوث خدمات سے نیز علمی مہارت اور انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے ہر ادارہ کو چار چاند لگائے اور خوب ترقی دی، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کی شخصیت پر تقریباً پچھلے ۳۳ برس سے وہ لکھ رہے ہیں۔ ماہر رضویات کا لقب پانے والے عالم اسلام کے وہ تنہا دانشور قلمکار ہیں جو آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکتے نظر آرہے ہیں پروفیسر صاحب نے عالم اسلام میں، عالم اغیار میں، اپنوں اور بیگانوں میں، علماء و مشائخ میں، محققین اور مصنفین میں، اساتذہ اور طلبہ میں، عدلیہ اور انتظامیہ میں، عوام اور خواص میں، اطفال و پردہ نشین خواتین میں، غرض زندگی کے ہر شعبے اور ہر میدان میں ہر سماج اور ہر زبان میں حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا ایسا جامع اور مکمل تعارف کرایا۔ ایسا مدلل اور مبرہن تعارف پیش کیا کہ آج ایشیاء و افریقہ میں ہر کالج اور یونیورسٹی میں حتیٰ کہ ہزار سالہ بلند وقار قدیم اور معتبر جامعہ ازہر میں ان کا نام نامی اسم گرامی معظم اور محترم الفاظ میں لیا جارہا ہے۔''

(ڈاکٹر مسعود احمد حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص:۳۷)

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی مظفر پور، رقمطراز ہیں:

''ڈاکٹر مسعود احمد دنیائے علم و دانش میں کسی تعارف کے محتاج نہیں اپنے بوقلموں، علمی، ادبی اور دینی کارناموں کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں میں بڑی محترم اور قدآور شخصیت کے مالک ہیں۔ ان جیسے کثیر التصانیف اصحاب، اشخاص برصغیر پاک و ہند میں اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے بلند و وقیع کارنامے ان کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ خصوصاً رضویات کے تعلق سے ان کی عظیم الشان خدمات کو ہمیشہ قدر و

احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ محض چند جملوں میں ان کی بلند قامت شخصیت کا احاطہ ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب جامع صفات وحیثیات میں اہلسنت کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

(ڈاکٹر مسعود احمد۔ حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۳۳)

اسی طرح سے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو وائس چانسلر مظہر الحق عربک پرشین یونیورسٹی پٹنہ بہار، رقمطراز ہیں:

''پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددی کا شمار ان فضلاء میں ہوتا ہے جو اپنی قابل قدر تصانیف اور اپنے دینی و علمی کارناموں کی وجہ سے دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے قدر داں اور ان کے معتقدین ہندوستان و پاکستان ہی میں نہیں، مشرق وسطیٰ کے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں جہاں مختلف موضوعات پر ان کی تصانیف شوق اور توجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے۔ جن میں چالیس کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں شائع ہو کر مختلف ملکوں میں پھیل گئے ہیں۔

(ڈاکٹر مسعود احمد حیات۔ علمی اور ادبی خدمات، ص: ۲۸)

پروفیسر وسیم بریلوی، ڈین، فیکلٹی آف آرٹس روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی، ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''ڈاکٹر مسعود احمد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہی نہیں بلکہ دینی فکر و نظر کے معیار گر کہے جاسکتے ہیں۔ ان کے نثری کارنامے زیادہ تر مذہبی نکتہ سنجیوں سے وابستہ ہیں ایسے دانشور کی شخصیت اور اس کی نثری کاوشوں کا تفصیلی جائزہ عالمی دنیا کے لئے بشارت بے بہا سے کم نہیں۔''

(ڈاکٹر مسعود احمد۔ حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص ۳۱)

محترم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے تعارف اور ان کے علمی، سماجی، سیاسی، اصلاحی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''اردو زبان وادب کی دنیا میں ایسے صاحبانِ علم وادب وقلم کم ہی ملیں گے اور ان کمیاب اور کامیاب شخصیات میں ایک مشہور اور مستند و معتبر نام ہے عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کا۔ جو بیک وقت عالم دین، پروفیسر، دانشور، مفکر، محقق، ادیب، مصنف اور نقاد بھی کچھ ہیں اور ان سب پر مستزاد وہ ہادی و مرشد بھی ہیں۔ انہوں نے اردو کو مذہبیات و مذہبی علوم وفنون، اخلاقیات، تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، معاشیات اور شعر وادب وغیرہ بھانت بھانت موضوعات کے جہانوں کی سیر کرائی ہے اور مختلف علوم وفنون کو تحقیق وتنقید کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ محسن انسانیت مصطفیٰ جان رحمت علیہ التحیۃ والثناء اور ان کے تابعین صحابہ، صلحا، اولیاء وعلماء کی سیرت وسوانح اور تقدیسی پہلو کو اجاگر کر کے ''ادب برائے ادب'' اور ''ادب برائے زندگی'' کے جلوے دکھائے ہیں۔ ان کے قلم حق وفیض رقم کا سب سے بڑا کمال ہے سرسید اور ان کے رفقا کے ایک ہم عصر عالم وفاضل، ادیب وشاعر اور مفکر ومصلح امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت، علم و فضل، عظمت وعبقریت اور تقدیسی کارناموں کا اجاگر کرنا کہ انہیں مخالفین امام احمد رضا نے دبانے، چھپانے اور مٹانے کی انتھک کوشش کی۔ اور زبان وادب کی تاریخ سے لے کر مذہبی قومی، ملی وملکی تواریخ میں جگہ نہ دیکر جو ظلم کیا گیا۔ اس ظلم و بے عدلی کا پردہ قلم مسعود نے چاک کر کے امام احمد رضا کی سچائی، اچھائی اور بڑائی کے حقیقی جلوے دکھا کر مشاہیر زمانہ کو حیرت زدہ کر دیا اور سب کی آنکھیں کھول دیں۔''

(ڈاکٹر مسعود احمد۔ حیات، علمی اور ادبی خدمات، ص: ۳۰)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے تعارف میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے جناب احمد حسین قادری انسپکٹر آف سینٹرل ایکسائز ممبئی، ایک خط میں یوں رقمطراز ہیں:

''امام احمد رضا کو علم داں طبقوں میں متعارف کرانے میں آپ (ڈاکٹر مسعود احمد) نے مجتہدانہ طرز اپنایا اور یہ کام تاریخ کا اہم باب بن گیا۔ آپ (ڈاکٹر مسعود احمد) رضویات کے سلسلے میں جز ولا ینفک کی حیثیت اختیار کر گئے۔ آنے والا اہلسنّت کا مؤرخ آپ کی ان

خدمات جلیلہ کو نہ تو نظر انداز کر سکتا ہے اور نہ ہی سنی دنیا آپ کے احسانات کو فراموش کر سکتی ہے۔ امام احمد رضا نابغۂ روزگار تھے اور آپ کی عبقریت مسلم تھی مگر آپ کے قلمی رسالوں کی اشاعت کے بعد ہی امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کے تمام محجوب اور پوشیدہ گوشے طشت از بام ہوئے۔ آج یونیورسٹیوں میں مغرب کے دانشکدوں میں امام احمد رضا کے علم اور اسلامی فکر وفقہ اسلامی سائنس کے جدید علوم وفنون پر امام احمد رضا کی دسترس۔ یہ سارے شعبہ ہائے حیات منظر عام پر لانے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی ہمہ جہتی فکر و دانش اور تمام علمی وفکری و دینی خدمات سامنے آئیں۔ آپ اہلسنّت کا ایک لازوال اور ایک حسین دولت گرانمایہ ہیں۔ سنیوں کو امام احمد رضا جیسا مجدد ملا ''رہبر ورہنما'' و ''اجالا'' پڑھنے کے بعد لاکھوں سنیوں میں یہ تصویر آویزاں ہوئی ہے آپ کی تحریروں نے غلط فہمی کا صرف ازالہ ہی نہیں کیا بلکہ حقائق ومعارف کو واشگاف کیا۔ (ایضاً ص ۸۷۴۔۸۷۵)

ڈاکٹر صاحب کی بلند پایہ شخصیت اور اردو ادب کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر اختر بستوی ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''آپ (ڈاکٹر مسعود احمد) کی شخصیت عالم اسلام اور دنیائے اردو ادب دونوں کے لئے باعثِ تکریم ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے قلم سے صالح اسلامی عقائد کی تبلیغ کے لئے بھی گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ اور اردو کے تنقیدی ادب کے دامن کو بھی بے بہا تحریروں کے جواہر پاروں سے بھر دیا ہے۔ خاص طور پر امام احمد رضا کی علمی، دینی اور شعری خدمات کے متعلق جو تحقیقی، تنقیدی اور تشریحی کام آپ نے کیا ہے اور جس طرح ان کے فکر وفن کی بلندیوں سے اردو داں عوام کو روشناس کرانے کی انتہائی کامیاب و مستحسن کوشش کی ہے۔ اسے اہل اسلام اور اہل اردو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔'' (ایضاً ص: ۸۶۶)

حضرت علامہ عبد المبین نعمانی، رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور، اپنے ایک خط میں معارف رضا (امام احمد رضا) کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرفان رضا کو عام کرنے میں آپ (ڈاکٹر مسعود احمد) کے فیضان قلم نے جو کردار ادا کیا ہے پوری دنیا اس کی دل سے معترف ہے اور تمام عاشقانِ رضا آپ کے لئے سراپا دعا گو ہیں۔ سچ ہے عشق کی آواز دبتی نہیں اور آتش عشق بجھتی نہیں اور جو اس کی لپیٹ میں آجائے وہ بھی حیات جاوداں پا جاتا ہے۔''

علماء اور دانشور حضرات کے مذکورہ بالا اقتباسات سے آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہوگیا کہ ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ دنیائے سنیت کے لئے ایک عظیم سرمائے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس سرمایہ کی ابھی ہمیں بہت ضرورت تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے تعارف کے لئے ''جہان امام ربانی'' کی طرز پر ایک خاکہ تیار کیا تھا جو مختلف ابواب پر مشتمل تھا۔ کاش وہ کتاب مکمل ہو کر منظر عام پر آجاتی تو اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات پر وہ ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ثابت ہوتی۔ بہر کیف مرضی مولیٰ از ہمہ مولیٰ۔ ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت اور ان کی حیات وخدمات کو میں نے اپنی تحقیق (ریسرچ) کا موضوع اس لئے بنایا تھا کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے تعارف میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ میں نے سوچا کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت پر کام کیا ہے۔ لہٰذا میں ان کی شخصیت پر کام کروں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے قائم کردہ ''جامعہ منظر اسلام بریلی شریف'' کا میں ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ قرآن کا فرمان ہے: ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ''بحمدہ تعالیٰ میری یہ کوشش کامیاب ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب کی حیات ہی میں میرا مقالۂ ڈاکٹریٹ (ڈاکٹر مسعود احمد حیات، علمی وادبی خدمات) ضیاء الاسلام پبلیکیشنز کراچی، پاکستان سے شائع ہوگیا جو آج مآخذ ومراجع کے لئے مستند ثابت ہو رہا ہے۔ یہ امر میرے لئے باعث مسرت ہے۔

# مسعودِ ملت اور جہانِ رضا کی سیر

محمد ارشاد عالم نعمانی ☆

سعادتِ لوح وقلم، ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن مولانا مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی نقشبندی (م ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ ۲۸ر نومبر ۱۹۶۶ء) شاہی امام وخطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی ابن مولانا مفتی شاہ محمد مسعود محدث دہلوی نقشبندی (م ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء) بانی دارالافتاء (۱۸۶۲ء) جامع مسجد فتح پوری، دہلی، کی ولادت باسعادت ۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۸ھ/ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۰ء دہلی میں ہوئی۔

آپ ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ جہاں ایک صاحبِ طرز ادیب، زہرہ نگار انشا پرداز اور بلند پایہ محقق تھے وہیں آپ کثیر التصانیف مسلم الثبوت مصنف ومؤرخ بھی تھے۔ آپ نے اسلامی علوم، ان کی خدمت گار شخصیات اور ان کی تعلیمات کا ملکی وبین الاقوامی سطح پر زبردست تعارف کرایا۔ مختلف دینی، علمی، تحقیقی اور سماجی موضوعات پر آپ نے کثیر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

بقول ڈاکٹر مجید اللہ قادری، پاکستان: قرآن، حدیث، سیرت، رضویات، سوانح، ادب، شخصیات، تصوف، اقبالیات، فلسفہ، نفسیات، سیاسیات، اخلاقیات وغیرہ موضوعات پر ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات، تالیفات کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے جبکہ مقالات اور مختلف کتابوں پر تاثرات کی تعداد ۶۰۰ سے زائد ہے۔

(تذکرۂ اراکین ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، ص: ۱۴)

خصوصاً رضویات اور مجددیات کے باب میں تو آپ اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس باب میں آپ نے اپنی فکر وتحقیق اور مطالعہ وجستجو کے جو عظیم دریا بہائے ہیں، یقیناً وہ آپ کی سیرت و شخصیت کو عظمت و رفعت دوام عطا کرے گی۔ آپ رضویات و مجددیات کے ایک معتبر محقق تھے اور آپ نے اپنی مختلف النوع مساعی سے رضویات اور رضویات ادب نیز مجددیات اور مجددیات ادب کا ایسا عالمگیر تعارف کرایا جس نے آپ کی شخصیت کو بھی عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصنیفات پورے برصغیر ہندو و پاک ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن عالمی زبانوں میں آپ کی تقریباً ۵۰ سے زائد مختلف کتابوں کے تراجم شائع ہوئے، ان میں عربی، فارسی، انگریزی، فرنچ، ڈچ، پشتو، ہندی، سندھی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کی شخصیت بجا طور پر ''رضویات شناسی'' کے باب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے ذیل میں آپ کے جہانِ رضا کی تحقیقی، علمی و تاریخی سیر کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کی جا رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا یہ تحقیقی سفر جہاں اپنوں کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوگا، وہیں مخالفینِ رضا کے لیے رضا شناسی کے مثبت زاویے وا کرے گا۔

آپ نے امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء۔ وفات ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء) پر اپنے تحقیقی سفر کا آغاز ۱۹۶۹ء سے کیا، اس سے پہلے آپ امام موصوف کی شخصیت وعلمیت سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ حالانکہ آپ نے اپنی تصنیفی زندگی کی شروع ۱۹۵۷ء ہی سے کردی تھی،

☆ دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵، انڈیا

لیکن اس کے باوجود اب تک امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات کی جانب آپ متوجہ کیوں نہیں ہوئے اور متوجہ ہونے کے بعد آپ کو جہانِ رضا کے سفر میں کن خوشگوار حیرتوں اور مسرتوں کی دنیا نظر آئی، اس کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ آپ خود لکھتے ہیں:

''راقم (پروفیسر محمد مسعود احمد) ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے۔ ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعہ سے محروم رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوائے والدِ ماجد حضرت مفتیِ اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ، راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے مؤیدین سے رہا لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور عالم نظر آیا جس نے حیران وششدر کردیا۔ اللہ اکبر! حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا۔ اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں، حیرانگی بڑھتی ہی جاتی ہے۔''
(پیش لفظ۔ ''گناہِ بے گناہی'')

اس سلسلے میں آپ کی پہلی کتاب ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کے عنوان سے ۱۹۷۱ء میں منظرِ عام پر آئی جس کی برصغیر ہند و پاک کی معروف دینی وعلمی شخصیات اور دانشورانِ قوم نے پذیرائی کی۔ اس پذیرائی کی کہانی پروفیسر صاحب کی زبانی سنئے:

''۱۹۷۰ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے ایما پر اپنی چودہ سالہ علمی زندگی میں پہلی بار (امام احمد رضا قادری) پر قلم اٹھایا اور مندرجہ ذیل عنوان پر ایک مقالہ قلمبند کیا ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات''۔ بفضلہٖ یہ مقالہ ملک کے طول وعرض میں بے حد مقبول ہوا، بکثرت اخبارات ورسائل نے اس پر تبصرے لکھے اور تین چار ماہ کے اندر اندر اس کے دو ایڈیشن شائع ہوگئے۔ مقالہ ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' میں یہ کوشش کی گئی تھی کہ جو بات کہی جائے، تعصب اور تنگ دلی سے بالاتر ہوکر کہی جائے۔ حقائق وواقعات کو تاریخ کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہٖ کہ اس تحریر نے پورا پورا اثر دکھایا اور جن علماء کے دلوں میں شکوک وشبہات تھے، اس کے مطالعہ کے بعد وہ رفع ہوگئے۔

(تقدیم ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'')

یہاں ذیل میں مذکورہ کتاب پر چند مشہور اصحابِ قلم وارباب علم ودانش کے تاثرات آپ بھی ملاحظہ کیجئے اور سفر جہانِ رضا کی پہلی جھلک کی غیر معمولی اہمیت ووقعت کا اندازہ لگائیے۔

مولانا محمد منشا تابشؔ قصوری نے اپنے ۱۵/۳/۱۹۷۲ء کے تاثراتی مکتوب میں لکھا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ فاضلِ بریلوی وحضرت مفتیِ اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ اور مولوی اشرف علی تھانوی ایسی شخصیتوں نے ''تحریکِ موالات'' کی شدت سے مخالفت کی جو انگریز سرکار کے ایما پر نہیں بلکہ شریعتِ محمدیہ کی طرف سے عظیم ذمہ داری کا نتیجہ تھی۔ جیسا کہ آپ (پروفیسر مسعود) نے اس معرکۃ الآرا مسئلہ کی گتھیوں کو سلجھانے میں بڑی کامیاب کوشش فرمائی اور عدیم النظیر مجاہدانہ کارنامہ انجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ایسے طوفان خیز لمحوں میں کشتیِ سنیت کے ناخدا بن کر آئے ہیں جبکہ بادِ مخالف پورے زور سے ہمیں ختم کرنے کے درپے ہے۔۔۔ آپ کا مقالہ جہاں ہمارے لیے باعثِ صد افتخار ہے وہاں معترضین کو دعوتِ غور وفکر دے رہا ہے۔ آپ نے اس عظیم الشان تصنیف ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء کو منصۂ شہود پر جلوہ فرما کر اہلِ سنت پر بڑا احسان فرمایا۔'' (جہانِ مسعود، ص: ۹۸، مرتبہ: آر بی مظہری، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، اشاعت اول ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

بلوچستان کے ایک دیوبندی عالم عبد الباقی صاحب نے مذکورہ کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنے اعترافی مکتوب ۲۲/۱۱/۱۹۷۱ء میں لکھا:

''جناب نے ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کے موضوع پر جو زریں نکات قلمبند فرمائے ہیں اس سے حقیر کے دل میں بہت سے شکوک وابہام کا استیصال ہوا۔ واقعی اعلیٰ حضرت مفتی صاحب اس

منصب کے مالک ہیں مگر بعض حاسدوں نے آپ کا صحیح حلیہ اور علمی تبحر طاقِ نسیاں میں رکھ کر آپ کے بارے میں غلط اوہام کو پھیلا دیا ہے جس کو ناآشنا قسم کے لوگ سن کر صیدِ وحشی کی طرح متنفر ہو جاتے ہیں اور ایک مجاہد عالمِ دین، مجددِ وقت ہستی کے بارے میں گستاخیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ علمیت میں وہ ایسے بزرگوں کا عشر عشیر بھی نہیں ہوں گے۔ مگر محترم پروفیسر صاحب کے مقالۂ مذکور کے دقیق مطالعہ سے ان شاء اللہ غیر متعصب لوگ ضرور اپنے کیے پر نادم ہو کر اعلیٰ حضرت کے معتقد اور حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔''

ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کو جنہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے افکار و نظریات اور تصنیفات کا مطالعہ نہ کیا ہو مولانا موصوف کا یہ اعترافی مکتوب کسی طرح عقیدت پر مبنی معلوم ہو، لیکن اس کی تحریری شہادت کی موجودگی کے ساتھ دوسرے مکاتبِ فکر کے غیر متعصب اربابِ علم و دانش کے اعترافی تاثرات کا مطالعہ امام موصوف کے تعلق سے جمی ہوئی گرد کی دبیز تہوں کو کھرچنے کے لیے کافی ہوگا۔ اس سلسلہ میں مولانا یٰسین اختر مصباحی کی گراں قدر کتاب ''امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں'' کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کے فوراً بعد آپ کی ''رضویات شناسی'' اور تعارفِ رضویات پر ایک دوسری عظیم کتاب ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' ۱۹۷۳ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کی اشاعت سے مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی شخصیت پر مستند اسکالر کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ پھر تو ہر سال کئی مقالات یا کتب کا ہزار مزاحمتوں کے باوجود نہ تھمنے والا سلسلہ چل پڑا اور آپ نے جس عزم کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھا تھا کہ امام احمد رضا کا عالمی سطح پر تعارف ہونا چاہیے کو کر کے ہی دم لیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جیسے ہی آپ کی کتاب ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' منظر عام پر آئی۔ مخالفین کے خیموں میں ہلچل سی مچ گئی اور سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس سلسلے میں پروفیسر مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''جب راقم کی کتاب ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری صاحب نے اپنے رسالہ ''فاران'' کراچی میں ایک طویل مضمون لکھ کر مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ ''اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر ان کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا۔'' یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبۂ سنی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی۔ انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ ''اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں تھے۔''

(تقدیم ''البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

پروفیسر صاحب کے اس دعویٰ کی اصل مولانا محمود احمد قادری مصنف ''تذکرۂ علمائے اہلِ سنت'' کا ۱۹۷۵/۲/۱۵ء کو حکیم اہلِ سنت محمد موسیٰ امرتسری، صدر مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کے نام تحریر کردہ وہ مکتوب ہے جو انہوں نے علی گڑھ بھارت سے لکھا تھا۔

(دیکھئے جہانِ مسعود، ص: ۱۱۲)

آپ نے مذکورہ کتاب کی ترتیب و تالیف میں کن امور کو ملحوظ رکھا تھا خود انہیں کی زبانی سنئے تاکہ پروفیسر صاحب کے مطالعہ کی نوعیت، اہمیت اور آفاقیت آپ کے سامنے پورے طور پر آ جائے، وہ لکھتے ہیں:

''اس مقالے کی تیاری کے دوران فاضلِ بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف گوشے سامنے آئے اور آنکھیں کھل گئیں، خیال آیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اوروں کو بھی دکھا دوں اور دکھانے کے لیے کچھ اور دیکھ لوں۔

اس مقالے کی تیاری میں ہم نے خاص طور پر چار کتابوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ ذیلی مباحث کے لیے بہت سی کتابیں مطالعہ کیں جن کی تفصیلی فہرست کتاب کے آخر میں مآخذ و مراجع کے عنوان سے پیش کردی گئی ہے۔ یہ چار کتابیں ہمارے موضوع کا محور ہیں:

۱۔ الاجازات المتینة لعلماء بکة و المدینة ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

۲۔ الفیوضات المکیه لمحب الدولة المکیة ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء

۳۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

۴۔ کفل الفقیه الفاهم فی احکام القرطاس الدراهم ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء۔

اس کے علاوہ بعض مخالفین نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جو ہمارے موضوع سے متصادم ہیں۔ اس لیے یہ ضروری بھی سمجھا کہ مقالے کے آخر میں ''استدراک'' کے عنوان سے ان کا تجزیہ پیش کردیا جائے تاکہ حقائق مخفی نہ رہیں۔ ''استدراک'' میں ہم نے ان کتابوں کا تجزیہ کیا ہے:

۱. غایة المامول فی تتمة منهج الوصول فی تحقیق علم غیب الرسول

۲. المهند علی المفند

۳. الشهاب الثاقب علی المسترق الکاذب''

اس معروضی اور حقیقت پسندانہ مطالعہ کی نشاندہی کے بعد آپ نے دعوتِ فکر و عمل دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارا خطاب اِن سے نہیں جو پہلے ہی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں بلکہ ان سے ہے جو غلط فہمیوں کا شکار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے دانش و بینش سے نوازا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ حضرات ہماری بات توجہ سے سنیں گے، اور ہماری تحریر کی روشنی میں فاضلِ بریلوی کی شخصیت کے حقیقی خد و خال دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوشش بارآور ثابت ہوئی اور ہم تالیف و تزکیۂ قلوب کا اہم فریضہ انجام دے سکے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو'' (تقدیم ''فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'')

اللہ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے ایسا ہی ہوا کہ اس کے ہمہ گیر اثرات عالمی سطح پر محسوس کیے گئے۔

جیسا کہ ایک دانشور کا مندرجہ ذیل اعتراف ہمارے اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ وہ اپنے اعترافی بیان میں کہتے ہیں: ''ہم نے تو امام احمد رضا بریلوی کو دفنا دیا تھا، لیکن ایک پروفیسر (محمد مسعود احمد) نے قبر سے نکال کر پھر زندہ کردیا۔''

جہانِ رضا کے اس تحقیقی سفر میں آپ کو بے پناہ مزاحمتوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بڑے بڑے دلخراش حالات سامنے آئے لیکن آپ کے عزمِ سفر میں ایک لمحہ کے لیے بھی جنبش نہیں آئی اور مسلسل لکھتے اور لکھتے ہی رہے بلکہ جوں جوں مخالفتوں کا سیلاب آتا، آپ میں حرکتِ عمل اور تیز تر ہوجاتی۔ آپ نے مختلف مقامات پر مزاحمتِ سفر اور مخالفینِ رضا کی ناراضگیوں اور خفگیوں کی طویل داستان قلمبند کی یہاں صرف ایک پیش کیا جاتا ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کے قلم کی اثر آفرینی سے مخالفین کے خیمے میں کیسی ہل چل مچ رہی تھی اور وہ کس قدر حواس باختہ نظر آرہے تھے۔ ایک جگہ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

محدثِ بریلوی کے مخالفین نہ معلوم کیوں محدثِ بریلوی پر تحقیق کی مزاحمت کرتے ہیں۔ راقم کا مقالہ ''فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات'' کی اشاعت کے بعد ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو۔''

(تقدیم ''البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ''

ان جیسے متعصبانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کو آپ مسلسل امام

احمد رضا قادری کی آفاقی شخصیت کے تحقیقی اور معروضی مطالعہ کی دعوت دیتے رہے جس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔ ایک جگہ امام احمد رضا پر تحقیق کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت اس لیے محسوس کی جارہی ہے کہ:

☆ وہ سوادِ اعظم اہلِ سنت کے علمبردار ہیں۔ ☆ ان کے جذبے میں بڑا خلوص ہے۔ ☆ ان کی فکر میں بڑی گہرائی ہے۔ ☆ انہوں نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو ملت کی فکری اساس قرار دیا۔ ☆ ان کے نزدیک زندگی عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے عبارت ہے۔'' (تقدیم ''مکتوباتِ امام احمد رضا'')

اس کے باوجود مخالفینِ رضا امام احمد رضا پر تحقیق کی مخالفت کیوں کرتے ہیں، کے اسباب کو بتاتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں امام احمد رضا کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی جس کے کئی اسباب تھے۔ یہ اسباب زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ☆ امام احمد رضا نے مسلکِ اہلِ سنت و جماعت (سلف صالحین) کی پرزور حمایت کی اور مجاہدانہ و سرفروشانہ سرگرمِ عمل ہوئے۔ ☆ امام احمد رضا نے ابن عبدالوہاب نجدی کے زیر اثر چلنے والی ہر تحریک کی مخالفت کی۔ ☆ امام احمد رضا نے ہنود کے زیر اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔ ☆ امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لیے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔

بہرکیف امام احمد رضا کی مصلحانہ، مجددانہ اور ناقدانہ مساعی کا شدید ردِ عمل ہوا۔ طرح طرح کے الزامات لگائے گئے اور ان کی تشہیر کے لیے پوری توانائیاں صرف کی گئیں۔ شاید سطحی نظر رکھنے والوں کی نگاہ میں یہ الزامات کوئی اہمیت رکھتے ہیں مگر تاریخ پر جن کی گہری نظر ہے، ان کو معلوم ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور بعض سیاسی و مذہبی مصالح کی بنا پر لگائے گئے ہیں۔

(تقدیم ''امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات)

جہانِ رضا کے اس تحقیقی و معروضی سفر میں مذکورہ بالا جاں گسل مشکلات، حادثات اور ہزارہا مخالفتوں کے باوجود آپ کا رواں دواں قلم چلتا اور چلتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ کارواں پر کارواں بنتا گیا۔ پروفیسر صاحب کاروانِ سفر کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس وقت (۱۹۹۳ء) دنیا میں بہت سے ادارے امام احمد رضا پر کام کررہے ہیں اور بہت سی شخصیات امام احمد رضا کے متعلق مختلف موضوعات پر کام کررہی ہیں، یہ تفصیلات خود ایک تحقیقی مقالے کی مقتضی ہیں۔ عالمی جامعات میں جو کام ہوا ہے، اس کی کچھ تفصیلات راقم نے اپنے مقالے ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' مطبوعہ صادق آباد ۱۹۹۱ء میں دی ہیں لیکن اب تحقیق کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ بیس سال قبل دنیا کی یونیورسٹیوں کے اربابِ بست و کشاد سے اپیل کی تھی کہ وہ امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کی طرف متوجہ ہوں، فضلاء کو تحقیق کی اجازت دیں۔ شکر ہے کہ یہ آواز صدا بصحرا نہ ہوئی بلکہ نقش کالحجر ہوئی۔ کام کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پھیلتا چلا گیا۔ نئی نئی جہتوں سے کام ہورہا ہے۔ اس وقت براعظم ایشیا، براعظم امریکہ، براعظم افریقہ اور براعظم یورپ کی تقریباً بیس یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں امام احمد رضا پر تحقیقی کام ہورہا ہے۔

(تقدیم ''محدثِ بریلوی'')

اور اب تو بحمد اللہ پروفیسر مسعود احمد صاحب اور ان جیسے جماعتِ اہلِ سنت کے مخلصین علماء و دانشوران کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں تقریباً ۵۵ سے زیادہ یونیورسٹیوں میں ایم۔فل، ڈی۔لیٹ، پی۔ایچ۔ڈی وغیرہ کی شکل میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

پر کام ہو رہا ہے اور آئے دن فکرِ رضا کے نئے نئے گوشے اور نئی نئی جہتیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔

مسعودِ ملت پورے انہماک اور کمال دلچسپی کے ساتھ مسلسل تیس سال تک جہانِ رضا کی سیر کرتے رہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے کیا کیا محسوس کیا، ذیل میں انہی کی زبانی ملاحظہ کیجئے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

راقم گزشتہ دس سال سے امام احمد رضا پر تحقیق کر رہا ہے لیکن یہ اعتراف کرنے میں کوئی خفت محسوس نہیں کرتا کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے باوجود امام احمد رضا کی شخصیت و علمیت سے کما حقہ واقفیت حاصل نہ کر سکا۔ مطالعہ و تحقیق کے ساتھ یہ احساس ابھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو بحرِ بیکراں معلوم ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کے دیے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں۔
(حرفِ آغاز، ''اکرامِ امام احمد رضا'')

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے ہوئے چودہ سال گزر چکے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحلِ سمندر تک بھی رسائی نہیں ہو سکی۔ شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے، امام احمد رضا کی شخصیت بزبانِ حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیسا

بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوانِ علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے کہ زمانے کے بڑے بڑے دانشور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔''
(تقدیم ''فقیہ اسلام'')

تیسری جگہ لکھتے ہیں:

''بیس برس کے مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اگر عالمِ اسلام امام احمد رضا کے عقائد و افکار کو رہنما اصول کے طور پر اپنا لے تو اتحادِ عالمِ اسلامی کا خواب حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔'' (تقدیم ''فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی موازنہ'')

چوتھی جگہ لکھتے ہیں:

''۲۲ر سال کے مسلسل سفر کے بعد یہ راز کھلا کہ وہ علم و دانش کا ایک سمندر تھے ہم ابھی تک اس سمندر کے ساحل تک بھی نہ پہنچ سکے۔'' (تقدیم ''محدثِ بریلوی'')

۳۰ سال بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ''وہ (امام احمد رضا قادری) مجتہدینِ کبار، محدثین کرام، فقہائے عظام اور سلف صالحین کی عظیم یادگار اور سچے وارث تھے۔ (تقدیم ''القادیانیہ'')

قارئین کرام! آپ نے مسعودِ ملت کے جہانِ رضا کی دلچسپ اور فکر انگیز سرگزشت کو ملاحظہ کیا جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پروفیسر صاحب نے اس طویل تحقیقی سفر میں کس قدر جاں کاہی اور بیدار مغزی اور عزم جواں کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ پروفیسر صاحب اپنے سفر میں جگہ جگہ افکار و آثارِ رضا کے رہنما نقوش کی نشاندہی بھی فرماتے رہے جس کا ذکر تفصیل کا متقاضی ہے۔ جلد ہی ''مسعودِ ملت اور افکار و آثارِ رضویہ'' کے نام سے ایک مضمون راقم السطور آپ کے روبرو لانے کی کوشش کرے گا۔

اخیر میں پروفیسر صاحب کی دنیائے علم و تحقیق سے دو اہم گزارشات و پیغامات کو نقل کیا جاتا ہے۔ ایک پیغام تو اپنوں کے لیے ہے جب کہ دوسرا پیغام عام ہے اور خصوصیت کے ساتھ یونیورسٹی و کالج کے اربابِ بست و کشاد کے لیے ہے۔ اپنوں کے لیے ان کا اہم پیغام یہ ہے:

''علمائے اہلِ سنت میں ایک نیا رجحان جنم لے رہا ہے، نہ جانے کیوں؟ وہ رجحان یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ہر بات کو حرفِ آخر نہ سمجھا جائے، تنقید کی چھوٹ دی جائے۔ بے شک دی جانی چاہیے مگر:
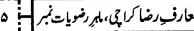
امام احمد رضا سے کوئی بلند تو ہو، بلند نہ سہی برابر تو ہو، برابر نہ سہی اس قابل تو ہو کہ ان کی بات سمجھ سکے اور ان کے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال سکے۔ ان کی شان تو یہ تھی کہ علمائے عرب وعجم ان کے در پر سوالی بن کر آئے۔ علماء کی کثیر جماعت نے ان کے سامنے اپنے اپنے استفتا پیش کیے اور سیر حاصل جواب پا کر شاد ہوئے۔ ہم میں کون ایسا ہے؟

امام احمد رضا کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے ''فتاویٰ رضویہ'' کی صورت میں علمائے اہلِ سنت کے لیے علم ودانش کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ ہم نے اب تک اس کو نہیں پڑھا، غیر ضروری مسائل پر غیر ضروری مباحث کی ضرورت؟ امام احمد رضا کے زمانے میں ان سے بڑا نہ سہی مگر ایک سے ایک بڑا عالم تھا۔ علمائے اہلِ سنت کی اکثریت امام احمد رضا کی بات کو حرفِ آخر سمجھتی تھی اور اب بھی سمجھتی ہے۔ امام احمد رضا کو ہدفِ تنقید بنانا، ان کی علمیت اور مجددیت کو موضوعِ سخن بنانا، رہے سہے فکری اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے، یہ بڑی غیر دانش مندانہ بات ہوگی۔ اس رجحان سے جتنا بچا جائے اتنا ہی ہمارے لیے مفید ہوگا۔ اس رجحان کے محرکات، علاقائی اور خانقاہی عصبیت بھی ہوسکتی ہے۔ خودنمائی اور خود پسندی کا جذبہ بھی ہوسکتا ہے۔

امام احمد رضا اتنے عظیم ہیں کہ ان سے اختلاف کرنے والا کبھی نیک نام نہیں، بدنام ہوگا۔ دنیا و آخرت کا فائدہ اس میں ہے کہ ہم اپنے اکابر کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور امام احمد رضا کی فکری دانش سے بھرپور استفادہ کر کے دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔''

دوسرا پیغام جو سب کے لیے عام ہے خصوصاً یونیورسٹی و کالج کے اربابِ حل وعقد کے لیے ہے، ملاحظہ کیجیے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں:

''راقم کے خیال میں پاکستان اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ فراخدلی سے کام لے کر حضرت رضا بریلوی کا مطالعہ ضرور کریں اور پھر اگر علم وادب اور فضل وکمال میں یگانہ روزگار پائیں تو اس طرف متوجہ ہوں۔ ایسی پہلو دار شخصیت پر ایک نہیں، بیسیوں عنوانات مل جائیں گے۔

امام احمد رضا کے مخالفین سے بھی مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے امام احمد رضا کے افکار و خیالات اور تنقیدات کا مطالعہ کریں اور جذباتی اندازِ فکر کو ترک کردیں اور ان افکار سے اسی طرح استفادہ کریں جس طرح وسیع القلبی کے ساتھ محمد انور شاہ کشمیری نے استفادہ کیا تھا۔ امام احمد رضا کے اس جذبۂ صادق کو پہچاننے کی کوشش کریں جس نے ان کو وطن میں غریب الوطن بنادیا تھا۔ آخر وطن میں انہوں نے غربت کیوں اختیار کی؟ کیا اپنے نفس کے لیے یہ سب کچھ کیا یا اسلام کے لیے۔ کوئی دیوانہ ایسا نظر نہیں آتا جو خواہ مخواہ خود کو ہلاکت میں ڈالے اور زمانے بھر کی رسوائیاں مول لے۔ دانش مندی کا تقاضہ ہے کہ اسلام کے ایسے سچے شیدائی کے احوال و واقعات ہر تعصب سے بالاتر ہو کر مطالعہ کیے جائیں۔

(تقدیم، ''تنقیدات وتعاقبات'')

عالمی سطح پر رضویات کا یہ مخلص و بے باک نقیب درمیان سفر ہی بابِ رضویات میں اپنے سفرِ مسلسل کے ان گنت انمٹ نقوش چھوڑ کر بارگاہِ خداوندی سے بلاوے پر ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء کی شام برصغیر کی تحریک اہلِ سنت کو اپنی جلوہ سامانی سے محروم کر کے راہی ملک عدم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ملت کے حق میں ان کی عظیم خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی مرقد انور پر رحمت و انوار کی بارش برسائے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں مستفیض فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

# حیرت کی فراوانی......!

## (ماہر رضویات کے سفر تحقیق کی روشنی میں)

از: غلام مصطفیٰ رضوی (مالے گاؤں، انڈیا)

امام احمد رضا محدث بریلوی (ولادت: ۱۲۷۲ھ /۱۸۵۶ء وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی حیات وخدمات، علوم وفنون، فکرونظر، تعلیمی و دعوتی تصورات کی جہات پر پوری دنیا میں تحقیقی کام انجام دیے جا رہے ہیں...... تحقیق وجستجو کا سفر جاری وساری ہے...... ایک علمی مرحلہ گزرتا نہیں کہ دوسرا مرحلہ آن پڑتا ہے...... اللہ تعالیٰ کی شان کہ فرد واحد میں اتنے علوم وفنون کو یک جا کر دیا...... امام احمد رضا کی خدمات کا سب سے نمایاں پہلو ایمان وایقان کی حفاظت ہے اور بہ نام اسلام وجود میں آنے والے باطل فتنوں اور لادینی تحریکات وافکار کا سدباب ہے...... اس لحاظ سے آپ اپنے عہد میں سب سے نمایاں وممتاز نظر آتے ہیں...... اور عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پہلو تو بڑا منفرد ویگانہ ہے...... ریسرچ وتحقیق کی جہت سے ضروری تھا کہ آپ کی خدمات سے قوم کو روشناس کرایا جائے ...... تاکہ فکری و اعتقادی لحاظ سے قوم کے لیے تطہیر قلب کا سامان مہیا ہو...... حوصلوں کو تب وتاب عطا ہو...... اس سمت علمی اور اکیڈمک انداز میں کام کا آغاز سعادت لوح وقلم مسعود ملت ماہر رضویات علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ) نے کیا...... اور خلوص ولگن کے ساتھ بہت جلد پاکیزہ فکروں کو متاثر کر دیا...... وہ جن کے اندر قبول حق کا عنصر موجود تھا امام احمد رضا کی خدمات کے معترف ہوئے اور کہہ اٹھے ع

خورشید علم ان کا درخشاں ہے آج بھی

اجالا پھیلنے لگا:

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی

باطل تحریکات نے بڑا زور لگایا کہ علمی دنیا امام احمد رضا کے کارناموں سے غافل رہ جائے...... لیکن روشنی ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے، اس کے نصیب میں چھپنا نہیں...... مکروفریب کے پردے چاک ہو کر رہتے ہیں اور حق واضح ہو جاتا ہے بہ قول ماہر رضویات: ''مطالعہ و مشاہدہ نیک و بد اور خیر وشر کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہے، پروپیگنڈے سے کچھ وقت کے لیے خیر کو شر اور نیک کو بد بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں...... مطالعہ کے بعد جب جہل ولاعلمی کے پردے اٹھتے ہیں تو مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے۔''[۱] تو جب مسعود ملت نے دیکھا کہ فکروں کو پراگندا کیا جا رہا ہے...... جھوٹ کا سہارا لیا جا رہا ہے...... تو امام احمد رضا کو آپ نے موضوع تحقیق بنا دیا...... آپ لکھتے ہیں:

''۱۹۵۷ء سے راقم مسلسل لکھ رہا ہے لیکن امام احمد رضا کی سوانح اور علمی و سیاسی خدمات کی طرف ۱۹۷۰ء میں متوجہ ہوا، جب دیکھا کہ...... ارباب علم ودانش اس طرف سے برابر پہلو تہی کر رہے ہیں، اور...... غلط فہمیوں کی برابر تشہیر کی جا رہی ہے، تو شرم وندامت کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے جس کے تلے ہمارے محققین و مؤرخین دب رہے تھے، اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اور یہ فرض کفایہ ادا کرنا پڑا......''[۲]

چناں چہ آپ نے امام احمد رضا پر سب سے پہلا مقالہ ''فاضل

بریلوی اور ترک موالات'' لکھا جس نے مقبولیت کی بلندی پر اپنا علم نصب کر دیا اور وہ اجالا پھیلا کہ جھوٹ کی اندھیریاں چھٹ گئیں......سچ ہے کہ''مطالعہ ہی غیر محبوب کو محبوب بنا دیتا ہے اور سچ کو جھوٹ سے الگ کر دیتا ہے......''[۳] تو جو ملت کے سرمائے کا علم بردار تھا......اسلام کی سچی تعلیمات کا داعی تھا......اسی کی ذات کو نشانہ بنایا گیا، مسعود ملت نے سچ کہا:''حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے پوری قوت کے ساتھ سوادِ اعظم اہل سنت کے اس عالمی مسلک کی حفاظت اور مدافعت فرمائی اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد نہیں ہونے دیا......''[۴]

## جہانِ حیرت:

مسعود ملت نے مرکزی مجلس رضا لاہور کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرت سری کی تحریک پر امام احمد رضا پر تحقیق کا آغاز کیا آپ لکھتے ہیں:''راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے، ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعے سے محروم رہا، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوائے والد ماجد حضرت مفتی اعظم دہلی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ راقم کے بیش تر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے موئیدین سے رہا لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور ہی عالم نظر آیا جس نے حیران وششدر کر دیا......اللہ اکبر!......حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا......اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں حیرانی بڑھتی ہی جاتی ہے۔''[۵]

مطالعہ و مشاہدہ کے بعد مسعود ملت کہہ اٹھتے ہیں:''حقیقت میں مولانا احمد رضا بریلوی کی شخصیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ سیرت کے تمام پہلوؤں کو سمیٹنا شخص واحد کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے ایک ادارے کی ضرورت ہے جو خلوص ولگن کے ساتھ کام کرے اور مخیر حضرات کا اس کو تعاون حاصل ہو......گزشتہ دس برسوں میں راقم نے محدث بریلوی پر کچھ کام کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ساحل سمندر تک بھی رسائی حاصل نہیں ہو سکی......مطالعہ کے ساتھ ساتھ مولانا احمد رضا کی شخصیت تابناک ہوتی جاتی ہے اور حیرت بڑھتی جاتی ہے......''[۶]

رضویات پر ریسرچ کے حوالے سے آپ لکھتے ہیں:''سن مذکور (۱۹۷۰ء) میں محترم حکیم (محمد موسیٰ امرت سری) صاحب علیہ الرحمہ، علامہ محمد عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہاں پوری علیہ الرحمہ اور شیخ محمد عارف قادری ضیائی نے راقم کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا۔ یہ توجہ راقم کی علمی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوئی......آج (۱۹۹۱ء میں) سولہ برس ہو گئے راقم کا مرکزی موضوع امام احمد رضا ہی ہیں......سچ ہے ع

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق''[۷]

## گویا دبستاں کھل گیا:

مسعود ملت نے جس انداز میں کام شروع کیا تھا اس کے اثرات بڑے گہرے ظاہر ہوئے......جمود وتعطل ختم ہونے لگا......سحر نمودار ہونے لگی......اہل قلم و مصنفین قلمی جدو جہد میں لگ گئے......امام احمد رضا کی خدمات کی طرف متوجہ ہو گئے......قرطاس و قلم سے وابستگی بڑھتی گئی......امام احمد رضا کی شخصیت کے مختلف پہلو اجاگر ہوتے چلے گئے......اور نگاہیں خیرہ ہو گئیں......مسعود ملت کے خامۂ سحر طراز نے تحریک پیدا کر دی......صداقت آشکار ہونے لگی......چمن کی اس تبدیلی کا ذکر مسعود ملت سے سنیے:''اچانک خزاں رسیدہ گلشن میں بہار آ گئی، ٹہنیاں جھولنے لگیں، پھول کھلنے لگے، بلبل چہکنے لگے......پاکستان کے شہر لاہور کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آج سے تقریباً ۲۴ رسال پہلے (تقریباً ۱۹۶۷ء میں) یہاں مرکزی مجلس رضا کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا، خلوص و للّٰہیت سے قائم کیا تھا، ہر سطح پر مخلصین نے تعاون کیا اور اس ادارے

نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر لاکھوں کی تعداد میں لٹریچر چھاپ کر پھیلایا، نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں...... پھر گیارہ برس ہوئے کراچی میں ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' قائم ہوا اور اس نے اپنا لٹریچر پاک و ہند اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلایا......''[۸]

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا، اس کے بانی سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۲ء) تھے اور مسعود ملت سرپرست......اس ادارہ نے آپ کی سرپرستی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جس سے علمی دنیا میں خوش گوار تبدیلی آئی......اور ذکر رضا لبوں پر مچلنے لگا......مخلصانہ بنیادوں پر ارباب تحقیق کی وہ رہ نمائی کی کہ دانش گاہوں میں نغمات رضا گونجنے لگے اور اس کی نغمگی بڑھتی ہی جارہی ہے......پھیلتی ہی جارہی ہے......اس پر بندھ باندھنے والوں کے ہاتھ سل ہو چکے ہیں......اور ہمتیں جواب دے گئیں ہیں......سچ ہے حق کی قسمت میں بلند اور سرخرو ہونا ہے......تو عقیدے کے گلستان میں بہاریں عود کر آئیں......

مرکزی مجلس رضا قائم ہوئی اس نے صالح لٹریچر کے ذریعے امام احمد رضا پر اشاعتی کام کا آغاز کیا......مسعود ملت مجلس کی کارکردگی کو تحسین کے کلمات نذر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پاک و ہند میں مجلس رضا ہی ایسا واحد ادارہ ہے جس نے سب سے پہلے نا مساعد حالات کے باوجود امام احمد رضا سے متعلق صالح لٹریچر بلا قیمت پیش کیا اور پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک میں متعارف کروایا۔ مجلس کے روح رواں حکیم محمد موسیٰ امرت سری اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں مگر ع

صلۂ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ''[۹]

## قلبی اضطراب:

اپنوں کی تساہلی نے اغیار کو پنپنے کا موقع فراہم کیا، مسعود ملت نے بیداری کا پیغام دیا......اپنے نوک قلم سے حقائق کو واشگاف کیا اور اہل سنت کی صداقت و سچائی کو واضح کر دیا......امام احمد رضا کے علمی ورثے کی طرف مائل کیا......قرطاس و قلم کی اہمیت و افادیت سے متعلق یہ تاثر افکار کو مہمیز دے رہا ہے: ''مستشرقین اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ملے تو اس پر تحقیق کریں اور ہم اس کوشش میں ہیں کہ کوئی ملے تو اس کو دفن کریں۔ اللہ اکبر! ان کے ہاتھ میں لوح و قلم ہے اور ہمارے ہاتھ میں سامان تکفین و تدفین......مگر لوح و قلم تو ہماری میراث تھی، لوح و قلم کے تو ہم مالک تھے......حیف یہ ہم نے کیا کیا!''[۱۰]

اپنے ایک مقالہ ''پیغام مسعود'' میں آپ نے قرطاس و قلم کی اہمیت اور علمی کاموں کی افادیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا مطالعہ یقیناً بیداری کا پیغام ازبر کرائے گا...... مذکورہ اقتباس سے آپ کا قومی درد اور ملی سوز جھلکتا ہے اور ایک تحریک ملتی ہے۔

## ماہر رضویات رہنمائے رضویات:

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے بانی سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۲ء) ''امام احمد رضا اور عالم اسلام'' از مسعود ملت کے ابتدائیے میں رقم طراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت کی ہشت پہلو شخصیت کے بہت سے گوشوں کو نہ صرف اہل علم کے سامنے بہ حسن و خوبی پیش کیا بلکہ جدید ذہن کو مدنظر رکھتے ہوئے علمی اور تحقیقی انداز میں وہ کچھ فراہم کر دیا ہے جس سے ایک طرف نوجوان نسل کو امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور دوسری طرف حال و مستقبل کے ریسرچ اسکالرز یقیناً اس سے استفادہ کریں گے......''[۱۱]

آپ نے جو لکھا چھان پھٹک کر لکھا......قلم حق رقم نے امام احمد رضا کی فنی و علمی، فقہی و اصلاحی، ادبی و تعلیمی، سیاسی و عمرانی، سائنسی و معاشی اور فکری و نظریاتی بصیرت غرضیکہ ہر ہر گوشے پر گل و غنچے

کھلائے...... اور ان کی مہک نے ذہنوں کو مسحور کر دیا...... دبستان علم میں ''ماہر رضویات'' اور ''سعادت لوح وقلم'' کی بازگشت سنائی دینے لگی...... خامۂ مسعود کی جولانیاں دیکھ کر اہل علم وارباب دانش حیران رہ گئے۔

مطالعہ وتحقیق کے سفر نے فکر مسعود کو مہمیز کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ امام احمد رضا کی سوانح مرتب کی جائے جو حیات رضا کے ساتھ ساتھ علوم وفنون کی جہات کا بھی احاطہ کرلے...... اس سلسلے میں آپ نے پیش رفت کی۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں: ''۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا کا پندرہ جلدوں پر مشتمل سوانحی خاکہ پیش کیا، جسے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے ''دائرۂ معارف امام احمد رضا'' کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ تفصیلی خاکہ جامعات، کلیات اور تحقیقی اداروں کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں امام احمد رضا کی غیر مطبوعہ تصانیف کے نادر عکس بھی شامل ہیں۔ پروفیسر موصوف نے ایک بہت ہی اہم اور بہت ہی مشکل کام انجام دیا اور اس خاکہ کو دیکھ کر فاضل پروفیسر صاحب کی قابلیت کی اور امام احمد رضا س سے ان کی پرخلوص محبت کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ خاکہ ثابت کرتا ہے کہ پروفیسر صاحب حقیقتاً ماہر رضویات کہے جانے کے مستحق ہیں۔'' ۱۲

جب دیکھا کہ غلط بیانی اور الزامات کی برابر تشہیر کی جارہی ہے ، امام احمد رضا کی مقبولیت کو قصداً چھپایا جارہا ہے تو حرمین مقدس میں امام احمد رضا کی مقبولیت وشہرت پر ایک اہم مقالہ ''فاضل بریلوی علماے حجاز کی نظر میں'' لکھ کر شائع کیا...... یہ مقالہ خوب مقبول ہوا ، علمی دنیا میں بہ نظر استحسان دیکھا گیا...... نئے نئے گوشے کھلے بہ قول مسعود ملت: ''اس مقالے کی تیاری کے دوران فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف گوشے سامنے آئے اور آنکھیں کھل گئیں، خیال آیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اوروں کو بھی دکھادوں ...... اور دکھانے کے لیے کچھ اور دیکھ لوں......'' ۱۳

**فراز ہی فراز:**

مسعود ملت کی حق گوئی، حق پسندی، حق شناسی نے بہت جلد دلوں کی دنیا مسخر کر دی...... آپ کے خامۂ پرتاثیر نے جب امام احمد رضا پر لکھنا شروع کیا تو پھر انھیں کا ہو کر رہ گیا...... یہ سفر شوق نئے جہانوں کی تسخیر کرتا گیا...... اس کی راہ میں نشیب نہ آیا، فراز ہی فراز رہا...... سچ ہے جو اللہ والوں کا ہو جاتا ہے اس کی غیب سے مدد ہوتی ہے...... امام احمد رضا کی خدمات کا تعلق دین کی سربلندی اور اشاعت حق سے تھا اس لیے ہر آنے والا لمحہ آپ کی مقبولیت کی قوس قزح بکھیر رہا ہے...... مسعود ملت نے جہان رضویات کی سیر کا جو سفر ۱۹۷۰ء میں شروع کیا تھا اس کی مرحلہ وار روداد انھیں کے قلم سے سنیے جن میں محسوسات کا زاویہ مسحور کن ہے:

(۱) ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا کے حالات اور علمی خدمات پر تحقیق شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے راقم ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچ گیا ہو جو نا معلوم کب سے زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا...... ۱۹۷۰ء سے اب تک (۱۹۸۹ء) انیس سال گزر چکے ہیں یہ خزانہ برابر نکلے چلا آرہا ہے، اور نہ جانے کب تک نکلتا رہے گا...... اس خزانے کے علمی جواہرات جب بازار عالم میں جوہر شناسوں کے سامنے پیش کیے گئے تو ہر طرف سے تحسین وآفرین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ۱۴

(۲) امام احمد رضا کی شخصیت آج سے دس بارہ سال قبل جدید تعلیم یافتہ طبقے میں کچھ انجانی سی تھی لیکن اب وہ اس طبقے میں جانے پہچانے ہیں۔ ان کے حالات وافکار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جارہا ہے...... ۱۵

(۳) اصل میں بات یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ برس میں امام احمد رضا کا شہرہ پاک وہند سے گزر کر دیار مشرق ومغرب میں پھیل چکا ہے...... ۱۶

(۴) راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے چودہ سال گزر چکے ہیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحل سمندر تک بھی رسائی نہیں ہو سکی، شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے.....[۱۷]

(۵) بلاشبہ امام احمد رضا کا ایوان علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے جہاں زمانے کے بڑے بڑے دانش ور گم ہوتے نظر آتے ہیں.....[۱۸]

(۶) راقم سولہ برس سے امام احمد رضا کا مطالعہ کر رہا ہے۔ اتنی مدت ایک انسان کو سمجھنے کے لیے کم نہیں.....راقم نے محسوس کیا کہ امام احمد رضا کا ظاہر و باطن ایک ہے.....[۱۹]

(۷) بیس برس مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگر عالم اسلام امام احمد رضا کے افکار و عقائد کو رہنما اصول کے طور پر اپنا لے تو اتحاد عالم اسلامی کا خواب حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے.....[۲۰]

اپنے ایک مکتوب میں اظہار حیرت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:
''اللہ اکبر! تاریخ اسلام میں کیسی کیسی قد آور شخصیتیں ہیں کہ ان پر ریسرچ و تحقیق کے لیے بیس سال بھی ناکافی ہیں.....[۲۱]

(۸) فقیر گزشتہ اکیس سال سے امام احمد رضا پر کام کر رہا ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ کیا کام کر رہا ہے تو یہی جواب دیا جائے گا کہ ''کچھ نہیں''.....امام احمد رضا ایک بحر ذخار ہیں۔ اس بحر کے کنارے تک پہنچنا بھی سعادت ہے.....[۲۲]

(۹) بائیس سال مسلسل مطالعے کے بعد یہ راز کھلا کہ وہ علم و دانش کا ایک سمندر تھے.....ہم ابھی تک اس سمندر کے ساحل تک بھی نہ پہنچ سکے.....[۲۳]

(۱۰) فقیر تیس سال تک مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وہ مجتہدین کبار، محدثین کرام، فقہائے عظام اور سلف صالحین کی عظیم یادگار اور سچے وارث تھے.....[۲۴]

(۱۱) ہر آنے والا دن ایک نئی خبر لے کر آ رہا ہے.....[۲۵]

## مرحلۂ تعجب:

مطالعہ و تحقیق کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا کی ذات نکھرتی ہی چلی گئی.....دلوں میں گھر کرتی ہی چلی گئی.....مسعود ملت کی حیرانی بڑھتی چلی گئی.....اور وہ کہہ اٹھے: ''اس کا ذہن برق رفتار تھا.....اس کی آنکھ عرش نگاہ تھی.....اس کا سینہ بحر ناپیدا کنار تھا.....اس کا ہاتھ صبا رفتار تھا.....وہ کیا تھا؟.....وہ کون تھا؟.....اس نے کیا کیا کیا ع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے'' [۲۶]

یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ مشاہدے کی بات ہے.....آزمائی اور پرکھی ہوئی بات ہے.....عین الیقین اور علم الیقین کی بات ہے.....

مسعود ملت تحریر فرماتے ہیں: ''مطالعہ و تحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس ابھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو ایک بحر بے کراں معلوم ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ وہ معاصرین کو دیے جانے والے تمام القاب کے جامع ہیں.....وہ ''امام ربانی'' بھی ہیں، وہ ''شیخ الہند'' بھی ہیں، وہ ''رئیس الاحرار'' بھی ہیں، وہ ''شاعر مشرق'' بھی ہیں، وہ ''شیخ الاسلام'' بھی ہیں.....بیک وقت وہ بہت کچھ ہیں، یہ مبالغہ نہیں.....شاید دس برس قبل راقم کو بھی یہ باتیں مبالغہ معلوم ہوتیں لیکن عین الیقین اور علم الیقین کے بعد مبالغہ نہ رہیں.....'' [۲۷]

## مغربی دانش ور کی حیرانی:

امام احمد رضا کی خدمات کو چھپایا گیا.....علمی دنیا کو آپ کی ہمہ جہت شخصیت سے بے خبر رکھنے کے ہزار جتن کیے گئے.....مسعود ملت نے اسے محسوس کیا.....حقائق کھنگالے اور جواہر بکھیرے.....اپنوں اور بیگانوں کو تحقیقاتِ رضویہ سے متعارف کروایا.....اپنے تو اپنے بیگانے بھی حیران و ششدر رہ گئے.....''لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ کے مشہور محقق پروفیسر جے۔ ایم۔ ایس بلیان علوم اسلامیہ کے بین

الاقوامی اسکالر ہونے کے باوجود امام احمد رضا سے قطعاً واقف نہ تھے......۶۵ رسال کی عمر تک وہ بے خبر رہے...... آج سے دس سال قبل جب باخبر کیا گیا تو حیران رہ گئے...... اور اپنی بے خبری پر نادم و شرمسار...... وہ حیران تھے کہ وہ بار بار پاک و ہند کے دانش وروں اور محققین وفضلا سے ملے مگر کسی نے ذکر تک نہیں کیا، کتابوں میں ذکر تو بہت دور کی بات ہے...... ابتدا میں ان کو یقین نہیں آیا پھر جب خود مطالعہ کیا تو ان کی حیرانگی بڑھتی گئی......'' ۲۸

ساری دنیا میں امام احمد رضا کا شہرہ و چرچا ہے۔ ہر شہر اور قصبہ سے آپ کے نعتیہ نغمات کی گونج سنائی دے رہی ہے...... چاہے اردو آتی ہو یا نہ آتی ہو لیکن محبت آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زبانیں تر ہیں...... تو فضائے بسیط میں یہی نغمۂ خوش بو بکھیرتا نظر آرہا ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

تو اس نغمۂ عشق کو مسعود ملت کے دل کی دھڑکن میں سنا جاسکتا ہے...... قلم کی رنگت میں دیکھا جاسکتا ہے...... ان کی فکر ونظر میں افکار رضا کی اشاعت کا سودا سمایا ہوا تھا...... اور اسی فکر نے انھیں زمانے سے بے نیاز کردیا...... ایک عاشق نے فکر مسعودی کو مہکا دیا، اور وہ رضا کے قبلۂ محبت کی طرف مائل ہوگیا...... پھر خامۂ مسعودی نے سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی لکھا اور خوب لکھا، الغرض نقشِ محبت دل میں جمادیا...... جس کے اثرات ہویدا ہیں۔

**تین جہتیں:**

رضویات پر مسعود ملت کی مساعی و جدوجہد کو تین گوشوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) تحریرات (۲) تحریکات (۳) مکتوبات

اول الذکر پر آپ کی کثیر تصانیف و مقالات شاہد عدل ہیں جن کو مستند مآخذ کی حیثیت حاصل ہے...... اور ان سے استفادہ جاری و ساری رہے گا...... ثانی الذکر پہلو کی مزید تقسیم ہوسکتی ہے...... مسعود ملت کی زندگی سراپا تحریک تھی اور ایسی کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ نے جامعات و یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کا تعارف کروایا، تحقیقی مقالات کے لیے راہ ہم وار کروائی...... بعض جامعات میں رضویات کو نصاب کا حصہ بنوایا...... آپ کی تحریک پر درجنوں کے حساب سے اشاعتی ادارے قائم ہوئے...... اہل قلم امام احمد رضا کی سمت متوجہ و مائل ہوئے...... جمود و تعطل ختم ہوا...... اہل سنت میں اجتماعیت کی روح بیدار ہوئی۔

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری

ثالث الذکر پہلو بھی خاصا اہم ہے، خطوط کی افادیت مسلم ہے...... آپ نے ہزار ہا ترغیبی خطوط لکھے...... حوصلہ ہارے ہوؤں کی رہ نمائی فرمائی اور تحریک پیدا کردی...... مواد و مآخذ کی نشان دہی کی...... پی۔ ایچ۔ ڈی کے محققین کو سہولت فراہم کی، خاکے ارسال فرمائے، اور حوصلے بڑھائے...... وہ خلوت میں رہ کر بھی جلوتوں میں دکھائی دیتے ہیں، جس کا اندازہ مکتوبات کے مطالعہ سے ہوتا ہے...... ایک فرد نے وہ کام انجام دیا جو پوری اکیڈمی کا تھا...... دانش وروں کی پوری کہکشاں کا تھا...... اہل علم کی بزم کا تھا...... اور وہ کامیاب و کامراں رہے...... شاد و مسرور رہے...... امام احمد رضا کے نام و کام کو اجاگر کرکے ایمان کی دولت کے ساتھ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے اور متاع عشق رسول سلامت لے گئے اور یہی پیغام رضا ہے۔

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

## حوالہ جات

۱...... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، گناہ بے گناہی، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۹۳ء، ص ۴

۲..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۳..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، امام احمد رضا اور عالمِ اسلام، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۲۷

۴..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، تقدیم البریلویت کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۲۱

۵..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، گناہ بے گناہی، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۹۳ء، ص ۴

۶..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۸

۷..... حوالۂ بالا، ص ۱۰

۸..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، تقدیم البریلویت کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۔۱۲

۹..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۴

۱۰..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، تقدیم امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۶ء، ص ۳۸

۱۱..... سید ریاست علی قادری، مولانا، ابتدائیہ امام احمد رضا اور عالمِ اسلام، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۵

۱۲..... عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، مسعودِ ملت اور امام احمد رضا، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۶ء، ص ۳۲۔۳۳

۱۳..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۲۷

۱۴..... حوالۂ بالا، ص ۱۱

۱۵..... حوالۂ بالا، ص ۱۸

۱۶..... حوالۂ بالا، ص ۱۹

۱۷..... حوالۂ بالا

۱۸..... حوالۂ بالا

۱۹..... حوالۂ بالا

۲۰..... حوالۂ بالا، ص ۲۱

۲۱..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، مکتوبات مسعودی، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۵ء، ص ۷۵

۲۲..... حوالۂ بالا، ص ۴۵

۲۳ ..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۲۲

۲۴..... حوالۂ بالا، ص ۲۳

۲۵..... حوالۂ بالا، ص ۳۴

۲۶..... حوالۂ بالا، ص ۴۷

۲۷..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، حرف آغاز اکرام امام احمد رضا، ادارۂ مسعودیہ کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۷

۲۸..... محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، آئینۂ رضویات ،ج ۴، مرتب عبدالستار طاہر مسعودی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۴ء ص ۱۱۲


(۱۵ رمئی ۲۰۰۸ء کو سہ پہر سید والا تبار حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی نے فون کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ ماہرِ رضویات مسعودِ ملت پروفیسر محمد مسعود احمد پر ایک مضمون لکھ بھیجو، بایں وجہ صرف چندروز میں یہ مضمون تحریر کیا گیا۔ محررہ: ۲۰ رمئی ۲۰۰۸ء)

# محققِ رضا، مسعود علیہ الرحمۃ

از: مولانا شاہ محمد تبریزی القادری

## محقق رضا، مسعود

۱۴۲۹ھ

آج سے تقریباً بیس پچیس سال قبل یہی مئی جون کی چلچلاتی دھوپ، شدید گرمی، تپتی لُو میں دنیا کے عظیم قبرستان ''مکلی'' سے متصل، سندھ کے خوبصورت خطۂ ارضی، سرزمین شہداد، ٹھٹھہ کی ایک خوبصورت عمارت، جو ٹھٹھہ کالج کے نام سے موسوم ہے، میری پہلی ملاقات سفید شلوار قمیص میں اور اس پر کالی واسکٹ زیب تن کئے ایک دبلے پتلے شخص سے ہوئی۔ اتفاق ہے کہ بوقتِ وصال بھی اس شخص کا جسمانی ڈھانچہ ویسا ہی دبلا پتلا، خوب صورت، بارونق، روشن چہرہ رہا، جو اس وقت میری اول ملاقات کے وقت تھا۔

یہ ذات، یہ شخصیت حضرت والا، مسعود الزماں، فنا فی الرضا، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تھی۔ اس ملاقات کا سبب سندھ میں ڈاکٹر غلام نبی خادمؔی صاحب کی تنظیم معین احمر سوسائٹی (رجسٹرڈ) تھی، جس کا مقصد سندھ میں تعلم کو عام کرنا تھا۔ میں اس تنظیم کا مرکزی سکریٹری اطلاعات تھا۔ اس ملاقات میں میرے ہمراہ تنظیم کے سکریٹری جنرل پرکاب نبی خادمی، مولانا محمد طفیل ٹھٹھوی (جو آج کل ٹھٹھہ میں ڈسٹرکٹ خطیب اور معروف محقق ہیں)، صوبائی عہدے دار تھے اور عبدالسمیع خان سندھی، جو صوبائی صدر تھے میرے ہمراہ تھے۔

یہ ملاقات اس حوالے سے نہایت یادگار تھی کہ تدریس میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود علمی معاونت و تعاون کا یقین دلایا تھا۔ میں آج تک ڈاکٹر صاحب کے اس پُرتپاک استقبال اور ان کے دھیمے لہجے مگر باوقار و متاثر کن گفتگو کو فراموش نہ کرسکا۔ اس کے بعد میری جو ملاقاتیں ڈاکٹر صاحب سے ہوئیں، وہ امام احمد رضا کی شخصیت، ان کے فنی اور ان کی علمی بصیرت و دست اس پر محیط تھیں۔

جب ڈاکٹر صاحب کا تقرر بحیثیت سکریٹری تعلیم، سندھ ہوا تو میری ان سے ایک ملاقات ان کی نرسری کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ کیا سادہ نشست تھی اور کیسی شان بے نیازی سے آپ مسند نشین ہوئے تھے۔ یہ ملاقات میرے ایک بہت اچھے دوست صاحب زادہ سلیم فاروقی کی موجودگی میں ہوئی۔ ان کا کہنا تھا کہ چلو یار ڈاکٹر صاحب تمہارے مقالے کے سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہوں گے۔ وہ بڑی علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ لوگ سہ جہتی، شش جہتی، ہشت جہتی ہوتے ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب دس جہتی شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے یہ ملاقات بڑی مفید رہی اور آپ نے مجھے مشورہ بھی دیا کہ اگر آپ میرے جدّی مرشد حضرت امام ربانی پر کام کرنا چاہیں تو مجھے خوشی ہوگی اور میں آپ کو اپنی نگرانی میں یہ کام کروادوں گا۔ لیکن چونکہ میرا ذہن ایک موضوع پر بن چکا تھا اور میں اس پر خاصا تحقیقی کام کر چکا تھا، اس لئے میں نے ڈاکٹر

صاحب سے معذرت چاہی، اس شرط کے ساتھ کہ وہ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد میرا اور ڈاکٹر صاحب کا تعلق بڑا گہرا ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے کمرۂ مطالعہ کے ساتھ ہی ایک طویل میز پر ان کی مطبوعات، تحقیقات اور تصنیفات و تالیفات کا انبار لگا ہوا تھا۔ فرش پر بنڈل کے بنڈل بندھے رکھے ہوئے تھے۔ پریس سے مطبوعات آتی تھیں اور آرڈر پر چلی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کمرۂ مطالعہ میں دو مسندیں لگی ہوئی تھیں۔ آپ بیک وقت دو موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی کام کرتے تھے۔ ایک مسند تحقیق رضا کے لئے اور دوسری امام ربانی مجدّد الف ثانی کے لئے مخصوص تھی۔ تحقیقی مواد کی کتب بھی الگ الگ الماریوں میں سجی رہتی تھیں۔ یہ اہتمام والتزام ڈاکٹر صاحب کی ذات کا حصہ اور مجدّدین سے عشق ومحبت کا خاصہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ امام احمد رضا آپ کی شناخت تھے۔ آپ امام احمد رضا والے ڈاکٹر مسعود مشہور تھے۔ آپ نے جس قدر امام احمد رضا کی ذات کو عوام الناس میں متعارف کرایا اس سے کہیں ذات رضا سے خود نے شہرہ پایا۔ آپ نے امام احمد رضا کے حوالے سے خوب نام کمایا۔ یہ موقع بھی کسی کسی خوش نصیب کو ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس حوالے سے واقعتاً خوش نصیب واقع ہوئے تھے۔

ڈاکٹر مسعود علیہ الرحمۃ کی تصنیفات و تالیفات، خواہ وہ مجدد رضا کے حوالے سے ہوں یا مجدد امام ربانی کے حوالے سے، اپنی زبان و بیان کے لحاظ سے ادبی وفنی توانائی سے پُر ہیں۔ جسمانی غذا میں جس طرح وٹامنز ہوتے ہیں، اسی طرح وٹامنز جناب ڈاکٹر صاحب کی تحاریر میں بطور روحانی غذا پائے جاتے ہیں اور جو قاری انہیں ہضم کر لیتا ہے، وہ روحانی و جسمانی طور پر صحت مند و باشفا ہو جاتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی کے حوالے سے آپ کا تحریر کردہ پندرہ مجلدات میں ضخیم انسائیکلو پیڈیا اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ اس میں مختلف علماء و اسکالرز کے مقالات ہیں جن میں امام ربانی کی حیات و خدمات کا بنظر غائر احاطہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا پر لکھی گئی مختلف موضوعات پر آپ کی تحاریر (تصانیف و تالیفات) تشریحات وتفسیرات کی شکل میں ''رضوی ادب'' میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ بلاد عرب وعجم میں آپ کی تصانیف پر امام احمد رضا، اسی طرح معروف و شہیر ہیں، جس طرح بلاد ہند و پاک میں۔ آپ عالمگیر شہرت کے حامل ''ماہر رضویات'' تھے اور دنیا کی اہم جامعات سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ پر پی ایچ ڈی مقالات کی سرپرستی کے حوالے سے آپ کا باقاعدہ رابطہ رہتا تھا۔

آپ نے اپنی اس مختصر سی حیاتِ فانی میں جو علمی و ادبی خدمات انجام دیں، وہ ہم جیسے مایا لوگوں کے لئے سرمایۂ حیات ہے۔ اللہ رب ذو الجلال بہ طفیل مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بحق مجدد دین علیہما الرحمۃ آپ کی ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور سندِ دوام بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ والہٖ وسلم۔

............ ××× ..................

# آہ! ماہر رضویات، ناشر مسلک امام ربانی، مسعود ملت

# پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی علیہ الرحمۃ

از: الحاج صاحبزادہ ابوالرضا محمد داؤد رضوی صاحب گوجرانوالہ

۲۱ ربیع الآخر بمطابق ۲۸ اپریل بروز پیر شریف سارا دن حسب معمول اپنے دینی مشاغل میں مصروف رہنے کے بعد بوقت مغرب تازہ وضو کے ساتھ نماز مغرب ادا کر کے کچھ وقت کمزوری و بیماری کے عالم میں بھی اللہ جل جلالہٗ واس کے پیارے حبیب ﷺ کا ذکر خیر کرتے ہوئے تقریباً ۸ بج کر ۳۵ منٹ پر مسعود ملت شیخ طریقت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی (عمر تقریباً ۷۸ سال) کراچی میں قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگلے روز ۲۲ ربیع الآخر بمطابق ۲۹ اپریل بروز منگل بعد نماز ظہر شاہراہ قائدین پر آپ کی نماز جنازہ آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولانا ابو السرور محمد مسرور احمد صاحب نقشبندی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ وختم قل شریف کی تقریب میں نامور علماؤ مشائخ اور تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

### ابتدائی حالات:

حضرت مسعود ملت ۱۹۳۰ء کو انڈیا میں عظیم علمی وروحانی شخصیت جامع مسجد فتح پوری دہلی کے شاہی امام حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کرنے کے بعد آپ نے نامور اساتذۂ کرام سے درس نظامی کی کتب پڑھیں۔ علاوہ ازیں علوم جدیدہ پر بھی دسترس حاصل کی۔

حضرت مسعود ملت نے اپنی ایک تصنیف میں تحریر فرمایا کہ ''راقم مذہب کی گود میں پلا اور ادب کی آغوش میں بڑھا مگر بچپن میں تحریک پاکستان کو پھلتے پھولتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جس شاہی مسجد (فتح پوری دہلی) کی فضاؤں میں زندگی کے ابتدائی شب و روز گزارے، اس کے شاہی امام اور جد امجد کے عم محترم حضرت علامہ حافظ قاری محمد مصطفیٰ علیہ الرحمۃ نے ۱۸۵۷ء میں فتوئے جہاد پر دستخط فرمائے''۔

### نسب ومشرب:

حضرت مسعود ملت اپنے والد بزرگوار کی طرف سے صدیقی، والدہ محترمہ کی طرف سے سید، مسلکاً حنفی، مشرباً نقشبندی اور فطرتاً رضوی تھے۔

### قیام پاکستان:

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں آپ سندھ تشریف لائے۔ ۱۹۵۸ء میں آپ بطور لیکچرار شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۲ء تک آپ کے مختلف شہروں میں کئی کالجز میں پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے اور بڑی عمدگی کے ساتھ اساتذہ وطلبہ کی راہنمائی فرماتے رہے۔ میرے خیال میں دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ ہی یہی تھی کہ اسکول وکالج کے بگڑے ہوئے ماحول میں بھی بڑی حکمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔

### تحریری خدمات:

آپ نے قرآن وحدیث اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں قوم کی بہتری کے لئے بہت کچھ لکھا جو بھی فتنہ اٹھا اس کی سرکوبی کی۔ بے دینوں کا بھی رد کیا اور ''روشن خیالوں'' کی بھی خوب خبر لی۔ کافی عرصہ قبل جب مغرب زدہ بے پردہ عورتوں نے جلوس نکالے مظاہرے کئے تو آپ نے اس سلسلے میں بھی بڑا اہم مضمون لکھا (جو کہ اب بھی شائع کر کے عام تقسیم کرنے کی ضرورت ہے) چند ماہ قبل ماہنامہ رضائے

مصطفیٰ میں ''آج کل بعض مقامات پر منعقدہ محافل نعت میں ہونے والی بعض غیر ذمہ داریوں فوٹو بازی وویڈیو بازی، داڑھی منڈے قراء ونعت خوانان و منتظمین محفل اور نماز و جماعت چھوڑنے والوں کی اصلاح کے بارے میں'' آپ کا بڑا اہم مضمون شائع ہوا۔

**حضرت امام ربانی:**

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ پر قلم اٹھانے کے ساتھ ساتھ آپ نے عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا محدث بریلوی پر بھی بہت لکھا اور ہر طرح کے لوگوں تک اس کو پہنچایا۔ اسی بناء پر آپ ''ماہر رضویات'' کے خطاب سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

**فوٹو بازی:**

فوٹو بازی وتصویر سازی کے آپ سخت مخالف تھے۔ اگر کہیں کوئی نادان فوٹو کھینچنے کی کوشش کرتا تو آپ اسے اس خلاف شرع کام سے روکتے۔ شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ ''ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالیٰ وہ واحد شخصیت ہیں جو امام ربانی مجدد الف ثانی کانفرنس منعقد کرتے ہیں تو دعوت نامے میں یہ نوٹ لکھا ہوتا ہے کہ نشست فرشی ہوگی اور کوئی صاحب کیمرہ لے کر نہ آئیں''۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ پر تصویر لگانا پاکستان کے باشندوں کی مجبوری بنا دیا گیا ہے (والعیاذ باللہ) اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجبوری کے بغیر بھی اس ناجائز کام کا ارتکاب کیا جائے، خصوصاً وہ حضرات جو دینی اعتبار سے محترم ہوں، ان کی تصویریں تو خطرناک راہروی کی طرف لے جاتی ہیں۔

**تبلیغی دورے:**

علالت وبڑھاپے کے باوجود تحریر کے ساتھ آپ نے آخری وقت تک محافل میں تقریر ''وعظ ونصیحت'' کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ حتیٰ کہ وفات سے ایک ماہ قبل آپ بھارت کا تبلیغی دورہ فرما کر تشریف لائے۔

**ماہنامہ رضائے مصطفیٰ:**

ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کے آپ پرانے قارئین میں سے تھے اور اس کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ ۴ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ/۱۳/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو آپ نے رضائے مصطفیٰ کے بارے میں مکتوب ارسال فرمایا اور اس میں رضائے مصطفیٰ کے بارے میں ایک بڑا خوبصورت و جامع فقرہ تحریر فرما کر گویا کہ کوزے میں دریا کو بند فرمادیا کہ ''اختصار و جامعیت کے لحاظ سے یہ رسالہ اپنی نظیر آپ ہے''۔

رضائے مصطفیٰ کی اشاعت کے ۴۵ ویں سال کے آغاز پر حضرت مسعود ملت علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا کہ ''الحمد للہ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ) اپنی صحافتی زندگی کے ۴۵ ویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ تسلسل کے ساتھ اتنے عرصے اس کا جاری رہنا اس کی مقبولیت ومحبوبیت کی دلیل ہے''۔

ع..... جلوس گل پہ سر یر چمن مبارک باد!

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر ایک تنظیم ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' بنی تھی جس نے اہم کارنامے انجام دیئے۔ ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' نے اس تاریخی تنظیم کے نام کو زندہ رکھا۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ ایک چھوٹا سا، سیدھا سا رسالہ ہے مگر اس میں سب ہی کچھ ہے۔ قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تاریخ وتصوف، خوارق و کرامات، ادب و شاعری، نقد و تبصرہ، تہنیت و تعزیت، تنبیہات وتعاقبات، اشتہارات واعلانات وغیرہ وغیرہ۔

''رضائے مصطفیٰ'' جھوٹ سچ کا پلندہ نہیں بلکہ اس میں سچ ہی سچ ہے۔ ایسے جرائد بہت ہی کم نظر آتے ہیں جن میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ حق گوئی اور صداقت شعاری ''رضائے مصطفیٰ'' کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہماری صحافت، صداقت و راستی کے تابع ہوجائے تو معاشرہ اس کے مسموم اثرات سے محفوظ رہے اور صحافت اس کے حق میں رحمت بن جائے۔ اللہ کرے! ''رضائے مصطفیٰ'' پھلتا پھولتا رہے اور عوام وخواص اس سے استفادہ واستفاضہ کرتے رہیں۔ آمین اللّٰھم آمین''

**دو یادگار ملاقاتیں:**

تقریباً دس بارہ سال قبل حضرت والد محترم زید مجدہٗ تبلیغی دورے پر اسلام آباد میں موجود تھے اور انہی دنوں حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ بھی ایک بین الاقوامی کانفرنس جو کہ غالباً حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے منعقد کی گئی تھی، میں مقالہ پڑھنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے چنانچہ ایک جگہ پر اتفاقاً دونوں شخصیات کی ملاقات ہوگئی۔ بڑا پیارا منظر تھا اور پھر حضرت مسعودِ ملت نے اپنے مضمون میں اس یادگار ملاقات و پیارے منظر کو بڑے احسن انداز میں بدیں الفاظ تحریر فرمایا کہ ''ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کے سرپرست اعلیٰ، اہلسنّت و جماعت کے معروف و مشہور عالم حضرت علامہ مفتی ابوداؤد محمد صادق صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ فقیر کے ہم عمر ہی ہیں۔ صرف ایک بار ملاقات ہوئی وہ بھی اسلام آباد (وفاقی دارالحکومت) میں چلتے پھرتے۔ فقیر ان سے مل کر بہت خوش ہوا، وہ فقیر سے مل کر خوش ہوئے۔ ان کی خوشی سے خوشی ہوئی کیونکہ ان کی خوشی سنیت کی سند ہے۔ ان کی محبت میں خلوص ہے، ان کی نفرت میں بھی خلوص ہے۔ ان کی محبت و نفرت جذبات کے نہیں شریعت کے تابع ہے۔ وہ دارالعلوم منظر اسلام (بریلی شریف) اور دارالعلوم مظہر اسلام (فیصل آباد) کے فیض یافتہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت علامہ محمد شریف کوٹلوی اور تلمیذ رشید حضرت علامہ محمد سردار احمد علیہما الرحمۃ سے شرف تلمذ ہے بلکہ مؤخر الذکر سے بیعت بھی ہیں اور خلافت بھی حاصل ہے۔ یہی نسبتیں ان کی شخصیت کے تعارف کے لئے کافی ہیں۔ علامہ ابوداؤد محمد صادق مدظلہ العالی بڑے نباض ہیں، دکھتی ہوئی رگوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اور روحانی مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں، اہل سنت کو ایسے نباض طبیبوں کی ضرورت ہے کیونکہ مرض پھیلتا جارہا ہے۔ ان کی نصیحت و فہمائش میں درد و سوز ہے۔ وہ بڑے صاحب استقامت ہیں۔ عرصۂ دراز سے زینت المساجد (گوجرانوالہ) میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ تحریر و تقریر، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ حق کہنے میں حاکم و محکوم، محسن و غیر محسن، اپنے اور بیگانے کسی کی رعایت نہیں کرتے۔

ہماری سیاست و صحافت مصلحتوں کا شکار ہو چکی ہے، ان کے ہاں مصلحت نام کی کوئی چیز نہیں، ان کا ظاہر و باطن پاک صاف ہے، مولیٰ تعالیٰ ان کا مبارک سایہ قائم و دائم رکھے اور ان کی سرپرستی میں رضائے مصطفیٰ جاری و ساری رہے۔ آمین

ہر لحظہ نیا شوق نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق طے نہ ہو

وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ محمد و آلہٖ و ازواجہٖ و اصحابہٖ اجمعین''

''براہین صادق'' کے بارے میں بھی حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ نے تفصیلی تاثرات ارسال فرمائے۔

**دوسری و آخری ملاقات:**

چند ماہ قبل جب حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ جب پنجاب تشریف لائے تو ۲۰ ذیقعد ۱۴۲۸ھ/ یک دسمبر ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بوقت عشاء، داتا نگر لاہور، میں ایک جگہ دوران محفل الحاج محمد حفیظ نیازی صاحب کے ہمراہ آپ سے ملاقات ہوئی تو فقیر نے حضرت والد محترم حفظہٗ اللہ تعالیٰ کے مختلف عنوانات پر مشتمل مقبول عام تبلیغی اشتہارات اور بعض تصانیف پیش کیں تو آپ بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا۔ بعدازاں کراچی واپس پہنچ کر آپ نے اس سلسلے میں حضرت والد محترم کو مکتوب بھی ارسال فرمایا۔

**ختم چہلم:**

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ کے ختم چہلم کی تقریب ۲/ جمادی الآخر بمطابق ۷/ جون بروز ہفتہ بعد نماز عصر تا نماز عشاء آپ کے آستانہ پر کراچی میں منعقد ہوئی۔

﴿بشکریہ ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' جون ۲۰۰۸ء﴾
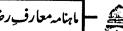
# محققِ مجدد دین

ابوالرضا گلزار حسین قادری☆

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ O لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ط لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ O (یونس)

''جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا سانحۂ ارتحال بڑا قومی، ملی اور دینی نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کم یاب ہوا کرتی ہیں اور ان کا منصۂ شہود پر نمودار ہونا کسی بڑے کام کے لیے ہوا کرتا ہے اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہوا کرتے ہیں۔ آج سے اڑتیس سال پہلے حضرت مسعود صاحب کی پہچان ایک ماہرِ تعلیم کی تھی اور اسی حلقہ میں متعارف تھے۔

اسلامیانِ اہلسنّت اشاعتِ کتبِ دینیہ کے معاملہ میں غفلت کا شکار تھے اور مخالفین کے اشاعتی ادارے رات دن کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ اہلِ سنت کا پڑھا لکھا طبقہ مجبور تھا کہ ان کی کتب کا مطالعہ کرے۔ نتیجتاً نوجوانوں کے آبائی عقائد متزلزل ہونے لگے اور تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ غیروں سے متاثر ہونے لگے۔ ایسے جمودی حالات میں ایک روشنی کی کرن اچانک نمودار ہوئی۔ وہ حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ نے ''مرکزی مجلسِ رضا'' کی بنیاد رکھی اور مسلک حقۂ اہلسنّت و جماعت کی نشر و اشاعت میں سینہ سپر ہوگئے۔ آپ نے خصوصاً امام اہلسنّت مجدد دین وملت پروانۂ شمعِ رسالت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ کی عظیم شخصیت پر تحقیق و اشاعت کا کام شروع کیا۔ اس مردِ حر و مردِ درویش کی کیمیا گر نگاہ حضرت مسعودِ ملت تک جا پہنچی۔ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب مجلس کے اولین معاونین میں شامل ہوگئے اور بہت کم وقت میں علمی و مسلکی دنیا میں بڑے عزت و شرف کا مقام حاصل کرلیا۔

آپ کی تحریر میں سلاست روی، حقائق کو بیان کرنے کا ملکہ اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت نے تحریر و تحقیق کو نیا اسلوب دیا جس کی وجہ سے صاحبِ علم سے لے کر عام قاری تک آپ کا پیغام سہل اور آسان طریق سے پہنچا۔ قومی اور عالمی سطح پر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی کارناموں کا ابلاغ اولین ان دو شخصیات کی باہمی کاوشوں سے ممکن ہوا۔ حضرت حکیم صاحب کے اوصاف میں سے تھا کہ وہ علم پرور انسان تھے۔ انہوں نے ایک بڑی جماعت کو تحریر و تحقیق کے لیے تیار کیا جس میں مسعودِ ملت بھی شامل تھے۔ حضرت مسعودِ ملت کی یہ صفت کچھ اس انداز سے تھی کہ آپ اپنے مکتوبات کے ذریعہ تمام محبین و معاونین سے رابطے میں رہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ ایسا ممکن نہ تھا کہ کوئی قبلہ مسعودِ ملت کو خط لکھے اور اس کا جواب آپ نے ارسال نہ فرمایا ہو۔ یہ اعلیٰ وصف میں نے کسی اور میں اس تسلسل سے نہیں دیکھا۔ آپ کو دس بار لکھا گیا، آپ نے ہر بار جواب مرحمت فرمایا۔ اور اس طرح ملک اور بیرونِ ملک آپ کے ان دوستوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا۔ اس سے نوجوانوں کو بڑی تحریک و

☆لاہور۔ خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

تقویت، حاصل ہوئی اور امامِ اہلسنت پر تحقیق کا کام وسعت اختیار کرتا گیا اور بہت کم عرصہ میں ایک بڑی تعداد تحقیقی اداروں کی وجود میں آ گئی۔ نشر و اشاعت کی ضرورت کو محسوس کیا جانے لگا اور تجارتی بنیادوں پر بڑی تعداد میں اشاعتی ادارے وجود میں آ گئے اور یہ سلسلہ ملک بھر میں پھیل گیا۔ کئی ایک ادارے اس نہج پر بیرونِ ملک خصوصاً ہندوستان میں بھی سرگرم عمل ہو گئے جو کہ قبلہ حکیم صاحب اور قبلہ مسعودِ ملت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کا مشترکہ مشن اور مقصد وحید تھا۔

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے ۱۹۶۰ء میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات پر تحقیقی کام شروع کیا جو کہ ۱۹۷۰ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء سے برصغیر کی ایک اور نابغۂ روزگار ہستی اور دورِ عصر کے مرد وحید اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دامۃ الشاہ امام احمد رضا خان محمدی سنی حنفی قادری برکاتی فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ پر تحقیقی کام شروع کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات کو پھیلایا، اگر امام احمد رضا محدثِ بریلوی نہ ہوتے تو امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات محجوب ہو چکی ہوتیں۔ آپ نے تعلیماتِ مجددیہ کی روح کو زندہ رکھا اور پائندہ بنایا اور عشق کی اس آگ کو بجھنے نہ دیا جو مردوں کو جلاتی ہے اور زندوں کو سنوارتی اور چمکاتی ہے۔'' (جہانِ امام ربانی، جلد اول، صفحہ: ۱۷)

یہ حضرت مسعودِ ملت کا ہی حصہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معاندین و مخالفین نے جو خلیج حلقۂ مجددیہ میں پیدا کرنے کی کوشش کی، اس کو ناکام بنایا اور حق کو روزِ روشن کی طرح واضح فرما دیا۔ چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے افکار وہی تھے جو سلفِ صالحین کے تھے جو کہ صدیوں سے مختلف فکری انقلابات سے محفوظ رہے اور یہی افکار حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور مجدد دامت امام احمد رضا بریلوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اس راستے ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیب کریم ﷺ کا راستہ فرمایا ہے۔

حضرت مسعودِ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقائد و افکار کو یوں سمرائز (اختصار) کیا ہے اور یہی امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی تعلیمات ہیں:

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے قائل نہیں کہ حضور ﷺ ہم جیسے بشر ہیں جبکہ یہ طبقہ (دیوبندی وہابی) اس کا قائل ہے۔

۲۔ آپ اس کے قائل نہیں کہ حضور ﷺ بڑے بھائی کے برابر ہیں جبکہ یہ طبقہ اس کا قائل ہے۔

۳۔ آپ حضور انور ﷺ کے عشق کو عین ایمان قرار دیتے ہیں جبکہ یہ طبقہ عشق کی بات نہیں کرتا اور اس کو شرک قرار دیتا ہے۔

۴۔ آپ حضور انور ﷺ کے علمِ غیب عطائی کے قائل ہیں جب کہ یہ طبقہ اس علم کو کسی شمار میں نہیں لاتا۔

۵۔ آپ حضور ﷺ کی شفاعت کے قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ آپ کو مجبور محتاج قرار دیتا ہے۔

۶۔ آپ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ساتھ محبتِ اہلِ بیت کے بھی قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ اہلِ بیت کی محبت کو اہمیت نہیں دیتا۔

۷۔ آپ محبت و صحبتِ اولیاء اللہ کے بھی قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ سرے سے اولیاء اللہ ہی کا قائل نہیں۔

۸۔ آپ اولیاء اللہ کے تصرفات کے بھی قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ ان کو محتاج اور مجبور محض سمجھتا ہے۔

۹۔ آپ ان حضراتِ عالیہ کے وسیلہ کے بھی قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ سرے سے وسیلہ کا قائل ہی نہیں۔

۱۰۔ آپ محافلِ عرس میں خود شریک ہوتے تھے جبکہ یہ طبقہ سرے سے عرس کا قائل نہیں۔

۱۱۔ آپ اولیاء اللہ کی قبور کی چادر کو تبرک سمجھتے تھے جبکہ یہ طبقہ قبروں سے چادریں اٹھا کر پھینکتا ہے۔

۱۲۔ آپ ایصالِ ثواب کے بھی قائل ہیں جب کہ یہ طبقہ ایصالِ ثواب کو منع کرتا ہے۔

۱۳۔ آپ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کے قائل ہیں جبکہ یہ طبقہ سرے سے تقلید ہی کا قائل نہیں۔

(جہانِ امام ربانی، ص:۸۲،۸۳)

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تحریروں میں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمودات کو بطور سند کے پیش فرمایا ہے اور اپنے مقتداؤں کا نام نامی بڑے ادب واحترام سے لیا ہے اور ان کی خدمات دینی و علمی ثقاہت کا برملا اظہار کیا ہے۔ ایک جگہ مجدد ملت امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ، حضور مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو ان القابات سے یاد فرماتے ہیں:

''شیخِ طریقت، آقائے نعمت، خداوند دولت، خاندانِ دہلی، شیخ مجددؒ''

(فتاویٰ رضویہ، جلد:۱۰، ص:۲۰۵)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو معاندین ومخالفین کی گھٹیا اور اخلاق سے گری ہوئی چالوں کا بخوبی علم تھا چونکہ یہ حضرات ہر طرح سے کمربستہ تھے کہ کسی بھی طرح اس نابغۂ روزگار شخصیت کو اپنوں اور بیگانوں کی نظروں میں گرایا جائے۔ چنانچہ سب کچھ کرنے کو تیار رہتے۔ نہ کسی اخلاق کی پرواہ، نہ دیانت آڑے آتی تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے ان پر اندھیر ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ علمائے اہلسنّت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ (اس کے بعد متعدد علماء کے نام گنوا کر فرماتے ہیں) پھر جو پورے حد حیاء سے اونچ گزر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذ باللہ عیاذ باللہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہہ دیا۔''

(تمہید ایمان بحوالہ جہانِ امام ربانی، جلد دوم، ص:۴۵۹)

تحریر بالا سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دشمن کس قدر مکار اور چالاک تھا اور اہلسنّت و جماعت کے اندر باہمی انتشار و اختلاف ڈالنے میں کس قدر مستعد تھا اور ان کی ذریت آج بھی اپنے روحانی اجداد کی سنت پر اسی طرح عامل ہیں۔

حضرت حکیم محمد موسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ جب مرکزی مجلسِ رضا کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر تحقیقی لٹریچر اہلِ علم حضرات تک پہنچنے لگا تو ایک دیوبندی مولوی ان کو ملنے آیا اور آ کر کہا کہ ہم نے پچھلے پچاس سال لگا کر مسلسل کوشش کر کے احمد رضا کو دفن کیا تھا اور تم نے اسے پھر زندہ کر دیا ہے اور اب ہمیں پھر اتنی محنت کرنی پڑے گی۔ تو جواباً حضرت حکیم صاحب نے فرمایا کہ ''کیا آپ پھر پچاس سال مزید جھوٹ بولو گے؟''

مندرجہ بالا حالات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ یقین رکھنا چاہئے کہ میرے آقائے کریم ﷺ کے مقام و مرتبہ کو گرانے کی سازش کرنے والے یہ گروہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور اہلسنّت و جماعت کے لیے ہمیشہ ریشہ دوانیوں میں مصروف رہیں گے تاکہ یہ اپنے مذموم عزائم و مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ ہمیں کبھی غفلت کا شکار نہیں ہونا چاہئے اور مستعدی سے اگلی نسلوں تک اپنے

اسلاف کا پیغام پہنچانا ہے اور دینِ حق کی ترویج و اشاعت پر ہمہ وقت کمر بستہ رہنا ہے۔

مشرب کی ترویج و اشاعت اپنی جگہ لیکن مسلک و عقائدِ اہلسنّت کا ثبات و ترویج وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ دورِ اکبری میں یہ فریضہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سرانجام دیا۔ طوفانِ باطلہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی سعی کو شرف کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ دوسرا دورِ ابتلاء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا دور ہے جس میں کفر و الحاد نے نیا رنگ اختیار کیا اور توحید باری تعالیٰ کی آڑ میں تنقیصِ مصطفیٰ ﷺ کی بنیاد رکھی گئی اور نئے نئے رنگوں سے فرنگی کی پناہ میں اسلام کی جڑیں کاٹنے کی سعی نامشکور کی گئی۔ ہمفرے جیسے جاسوس عالمِ اسلام میں پھیلائے گئے۔ جہاں ابن عبد الوہاب نجدی، غلام احمد قادیانی، اسماعیل دہلوی، قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی، اشرفعلی تھانوی وغیرہم خارجی پیدا کئے گئے، ایسے دورِ ابتلاء میں امام احمد رضا خان ایسے غیور و جری عالمِ ربانی کا پیدا ہونا انعامِ ربی ثابت ہوا۔ جس مردِ حق نے ان فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مخالفین و معاندینِ اسلام کو آڑے ہاتھوں لیا اور ہر محاذ پر پھریراءِ اسلام بلند رکھا۔

غرض کہ حضرت مسعودِ ملت وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ آپ نے برصغیر کے ان دو حضرات پر تحقیقی کام کیا، نہ صرف کام کیا بلکہ ایک بڑی جماعت محققین کی تیار کی اور ہر چہار سو عقائد و افکار کے حوالہ سے اہلسنّت و جماعت کی ان دو عظیم شخصیات کا نئے سرے سے نقارہ بجنے لگا جو کہ موجودہ دورِ انحطاط میں از بس ضروری تھا۔ ورنہ نجدی پیڑول وڈالر کے زور پر آگے بڑھنے والے اس طوفان میں نجانے کتنی خانقاہیں بہہ جاتیں اور کتنی درسگاہیں بلڈوزر کر دی جاتیں۔

الحمدللہ آج اہلسنّت پہلے سے زیادہ بیدار، زیادہ فعال اور دشمنِ دین کی چالوں سے باخبر ہیں۔ تحریری میدان میں جو کمی تھی وہ بڑی حد تک دور ہو چکی، نشر و اشاعت اور میڈیا کے میدان میں اب آپ اکیلے نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اہلسنّت کا مسلک تا ابد قائم و دائم رہے گا۔

ان تمام ثمرات میں حضرت پروفیسر صاحب کا حصہ وافر ہے جنہوں نے اپنی قیمتی زندگی کا بڑا حصہ اس کارِ خیر میں صَرف کیا اور بقولِ اعلیٰ حضرت بریلوی:

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سے احقر کا تعلق ۷۷-۱۹۷۶ء سے مکتوبات کے تبادلے سے شروع ہوا اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ آپ کا ایک مکتوب ۱۲/اکتوبر ۱۹۷۷ء کا ہے۔ ان دنوں سید قاسم محمود صاحب اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی اشاعت کر رہے تھے۔ حضرت مسعودِ ملت کا ایک تحقیقی مقالہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ پر ان کے ہاں زیرِ اشاعت تھا اور وہ کتابت و تصحیح کے مراحل میں تھا۔ شاہ صاحب مسودۂ کتابت نہ ہی مقالہ واپس کر رہے تھے اور نہ ہی اس کی اشاعت کر رہے تھے اور شاید اس تحقیقی مقالہ کی اشاعت ان کو ہضم نہیں ہو پا رہی تھی اور قبلہ پروفیسر صاحب نے یہ کام احقر کے ذمہ لگا رکھا تھا کہ اس کی پروف ریڈنگ اور اشاعت کے سلسلہ میں رابطہ میں رہوں۔ آخر مجبور ہو کر پروفیسر صاحب نے اس خط میں سید قاسم صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا کہ "یہ صاحب معاملے کے صاف نہیں اس لیے آپ ارادتاً نہ جایا کریں، جب اس طرف سے گزر ہو تو دریافت کر لیا

کریں۔'' اسی خط میں میری کچھ جذباتی گزارشات کے جواب میں فرماتے ہیں:

''اس سے قبل بھی ایک عنایت نامہ ملا تھا۔ چونکہ جذباتی تھا اس لیے جواب لکھنے سے قاصر رہا۔ احقر حالات سے بخوبی واقف ہے، جو ایثار وقربانی کرسکتا ہے کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے۔ کہنے کی بات نہیں مگر آپ کی جذباتی تحریر کے جواب میں اتنا عرض کروں گا کہ اس وسیع وعریض پاکستان میں میرا کوئی مکان نہیں ہے۔ میں لامکانی ہوں جبکہ ہمارے بہت سے علماء صاحبِ جائداد ہیں۔ احقر بیشتر وقت اللہ کے لیے صَرف کرتا ہے اور کسی سے نہ داد کی خواہش رکھتا ہے اور نہ صلے کی تمنا۔''

تحریرِ بالا سے ظاہر ہے کہ اس بے سروسامانی کے باوصف آپ ایک خوددار انسان تھے اور دین کی خدمت اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے فرماتے تھے۔ ان دنوں کنزالایمان کی اشاعت تاج کمپنی نے کی تھی جس میں تحریف کی گئی تھی۔ لکھتے ہیں:

''تفسیر میں تحریف کا حال معلوم ہوا۔ مخالفین اس سے باز نہیں آتے۔ تاج کمپنی والوں نے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں تحریف کی تھی۔''

احقر نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کتب 'الامن والعلیٰ'، 'تجلی الیقین' اور 'تمہیدِ ایمان' کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا اور مرکزی مجلسِ رضا نے تمہیدِ ایمان کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اس کی اشاعت کی خبر حضرت مسعودِ ملت کو دی گئی تو آپ نے ایک خط محررہ ۴؍مارچ ۱۹۸۲ء میں تحریر فرمایا:

''تمہیدِ ایمان سندھی کی اشاعت باعثِ طمانیت ہے۔ کس پبلشر نے شائع کی ہے؟ قیمت کیا ہے؟ مطلع فرمائیں تاکہ منگا کر لائبریری میں رکھ دی جائے۔ خدا کرے تجلی الیقین بھی جلد شائع ہوجائے۔ بنگلہ دیش میں ایک بزرگ عالم مولانا عبدالکریم صاحب نے اعلیٰ حضرت کے بہت سے رسائل کا بنگلہ میں ترجمہ کیا ہے مگر یہ سب منتظرِ اشاعت ہیں۔

احقر کو ۱۹۸۰ء میں بریلی شریف حاضری کا شرف حاصل ہوا اور حضور مفتیِ اعظم ہند سے اجازت وخلافت سے نوازا گیا۔ میرا سفرنامۂ بریلی ماہنامہ ''افق'' میں شائع ہوا تھا۔ حضرت کی نظر سے گزرا جس کا ذکر بھی اس مکتوب میں اس طرح فرمایا:

''افق میں سفرنامے کا کچھ حصہ نظر سے گزرا تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ آپ ان مقامات کی زیارت سے مشرف ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں نوازیں۔ احقر نے تمہیدِ ایمان کے چند نسخے ارسال کئے۔ آپ نے جوابی خط میں لکھا: ''آپ نے اعلیٰ حضرت کے حالات اور دیگر تفصیلات کا اضافہ کر کے کتاب کو بہت مفید بنادیا ہے۔ جزاکم اللہ!''

حضرت پروفیسر صاحب سے احقر کو شرفِ ملاقات کا صرف ایک بار موقع ملا جس وقت آپ لاہور جامعہ نظامیہ تشریف لائے ہوئے تھے اس کے بعد پھر کوئی موقع نہ مل سکا کہ آپ کی زیارت اور صحبت سے مشرف ہو پاتا۔ البتہ آپ کا مسلک اہلسنت کی ترویج و اشاعت کے لیے اور خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے افکارِ عالیہ پر تحقیقی کام آفاقی ہے جس سے مخالفین و معاندینِ اہلسنت کی ریشہ دوانیوں اور منفی پروپیگنڈے کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔ حق روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکا ہے اور باطل کی غوغہ آرائی دم توڑ چکی ہے۔

بے شک آپ ایک نیک اور صالح انسان تھے۔ نیچی نظریں اور بلند ارادوں کے حامل مندرجہ بالا آیۂ مبارک کے مصداق آپ انہیں لوگوں میں سے تھے جن کے لیے دنیا وآخرت کی زندگی میں خوش خبری اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

# یادِ مسعودِ ملت

## محمد علی سومرو مسعودی

سعادتِ لوح وقلم، محقق ومفکر، ماہرِ رضویات، مسعودِ ملت حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیہ الرحمۃ کی پُرکشش شخصیت سے کون واقف نہیں۔ آپ تعارف وتعریف کے محتاج نہیں بلکہ راقم کی سعادت ہے کہ حضرت کی شخصیت پر لب کشائی کر رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جو علمی، دینی و روحانی وجاہت میں اپنی مثال تھا اور آپ کے خاندان میں شروع سے ہی عالم وفاضل، علماء ومشائخ واولیاء ہوتے آئے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد شیخ الاسلام مفتیِ اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ علمی، دینی و روحانی وجاہت میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت مسعودِ ملت اپنے وعظ میں اکثر آپ کا ذکر فرماتے اور آپ کی توجہ الی اللہ وتقویٰ کا خوب حوالہ پیش فرماتے، حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ انہی کے آغوش میں پلے بڑھے اور اسی علمی، دینی وروحانی ماحول میں آپ کا بچپن گزرا۔

حضرت مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کی نورانی تربیت نے آپ کو بڑا کامل بنایا۔ آپ جلال و جمال، ظاہری و باطنی کمالات میں اپنے والدِ ماجد مفتیِ اعظم محمد مظہر اللہ کے مظہر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اپنے والد ماجد کے نقشِ پا پر رہے۔ اسلاف کرام کے آپ نمونہ تھے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے نمونہ آپ ثابت ہوئے اور اپنے جدِ اعلیٰ حضرت شاہ محمد مسعود محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی نمونہ آپ ہوئے۔ ان سب سے بڑھ کر حضور سرور کائنات، آقائے دو جہاں، محبوب کریم حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کے آئینہ دار ہوئے۔

اسی سنت مبارکہ کے آئینہ میں آپ نے وقت کی بڑی قدر کی۔ اس میں شک نہیں کہ سنتِ مبارکہ کی کامل اتباع کی، آپ خود اپنے خطاب میں اکثر فرماتے: ''سنت میں ہی قوت ہے۔۔۔سنت میں ہی عظمت ہے۔۔۔سنت میں ہی عزت ہے۔''

دورانِ خطاب یہ بھی فرماتے:

''اللہ کا قرب جو حاصل ہوگا وہ اتباع سنت سے۔''

بلاشبہ آپ بھی اُن ہی ہستیوں میں سے تھے کہ جنہوں نے سنت پر عمل کیا۔ ان کو قوت بھی حاصل تھی، عظمت بھی حاصل تھی اور عزت بھی۔ حضرت مسعودِ ملت کو اللہ کا قرب بھی حاصل تھا۔ بے شک آپ عشقِ مصطفی ﷺ میں رنگے ہوئے تھے، جس طرح ہمارے اکابر رنگے ہوئے تھے، آپ اُن کے نقشِ پا پر گامزن تھے اور اسی نقشِ قدم پر چل کر ہزاروں کو اسی رنگ میں رنگ دیا۔ اپنے حسنِ اخلاق و حسنِ سلوک سے اللہ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کا گرویدہ بنایا اور ساتھ اپنا بھی، سبحان اللہ، ماشاء اللہ!

الحمدللہ! آپ نے شریعت وسنت کی پابندی اس قدر کی کہ آپ کی ذاتِ گرامی ایک تقلید بن گئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بڑی عزت، بڑی حکمتوں و صلاحیتوں سے نوازا تھا، اس پُرفتن دور میں آپ کی شخصیت ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔

حقیقت میں حضرت علوم قدیمہ وجدیدہ کے جامع اور تحقیقی و تخلیقی تصانیف کی بدولت دنیائے عِلم، دنیائے ادب ودانش اور دنیائے اہلسنت کے ہم عصر شخصیتوں میں نہایت ہی معظم وقد آور شخصیت کے مالک تھے۔ مکرم ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مدظلہ نے ایک جگہ آپ کی حیات ہی میں خوب تعارف کرایا:

''وہ مہکتی اور چمکتی ہوئی شخصیت ہیں۔۔۔ایک ڈاکٹر، پروفیسر، دانشور، ایک سکالر، ایک رائٹر، ایک عالمِ دین، سجادہ نشین جسے زمانہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام سے جانتا، پہچانتا اور مانتا ہے۔۔۔ عالی نسب، عالی خاندان، عالی ظرف، اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ دماغ، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار۔۔۔ سب کچھ اعلیٰ ہی اعلیٰ۔۔۔ ان کو دیکھئے تو گلابوں کی یاد آئے۔۔۔ ان سے ملئے تو سحابوں کی یاد آئے۔۔۔ بات کرتے ہیں تو امرت اس سے ٹپکاتے ہیں۔۔۔کیا حلیہ ہے۔۔۔ کیا نقش ہے۔۔۔اسلاف کا نمونہ، کیا علم ہے، کیا قلم ہے۔۔۔علم ایسا

کہ ذہن وفکر سے لے کر دل کی دنیا نور بار کردیتے ہیں۔۔۔قلم ایسا کہ حقائق ومعارف کی دنیا کی سیر کرائے، سینۂ قرطاس پر علم کے موتی لٹائے۔'' (تذکارِ مسعودِ ملت، مطبوعۂ لاہور)

ماشاءاللہ! حضرت کی کس خوبی کا ذکر کریں، جس پہلو سے بھی دیکھتے ہیں تو آپ سب سے الگ ہی نظر آتے ہیں، حضرت کی پُرکشش شخصیت نے ہر ایک کو متاثر کیا اور آپ کی پُر کیف گفتگو کا تو کہنا ہی کیا، آپ کی گفتگو میں بڑا لطف حاصل ہوتا، آپ کی باتیں کہ جن میں تاثیر ہی تاثیر تھی، آپ کا اندازِ بیان بڑا اچھا تھا، بے شک آپ کے اندازِ بیان میں ایمانی لذت تھی، آپ کی باتوں میں اور آپ کے بیان میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ جھلکتا تھا، یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی آپ کے پاس بیٹھتا ہو، اٹھنے کو دل نہیں چاہتا تھا، اللہ! اللہ!

کہاں سے لائیں وہ باتیں۔۔۔کہاں سے لائیں وہ پُر مغز گفتگو۔۔۔

کہاں سے لائیں وہ ملاقاتیں۔۔۔کہاں سے لائیں اب وہ پُر کیف لمحات۔۔۔

کہاں سے لائیں وہ روحانی محافل۔۔۔کہاں سے لائیں اب وہ ساعتیں۔۔۔

کہاں سے لائیں وہ شامیں۔۔۔کہاں سے لائیں اب وہ راتیں۔۔۔

اب وہ محبتیں وشفقتیں کہاں سے لائیں۔۔۔وہ رونقیں اب کہاں سے لائیں جو ان کے دم سے آباد تھیں۔۔۔اب تو صرف باتیں ہی رہ گئیں۔۔۔اب تو وہ یادیں ہی یادیں رہ گئیں، ان کی یاد ذہنوں میں ہے، ان کی یاد دماغوں میں ہے اور ان کی یاد دلوں میں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے سامنے ہیں، بات آگے نکل گئی۔

جس طرح آپ نے اپنی شیریں گفتگو سے گرویدہ بنایا تھا، اس طرح اپنی عاشقانہ، عارفانہ، شاعرانہ، عقیدتمندانہ اور عالمانہ تحریروں سے اللہ اور اللہ کے محبوب اور پیاروں کا شیدائی وفدائی بنا رکھا تھا، حضور انور ﷺ کی سیرت پاک پر لکھا اور جدید انداز میں لکھا، جانِ جاناں اور جانِ جہاں ﷺ یہ کتابیں زندہ جاوید خدمات ہیں، اس کے علاوہ بھی اور کتابیں ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ حضور پاک ﷺ کی شان میں لکھ کر محبت وعشق کا حق ادا کیا۔

آپ نے بہت سی شخصیتوں پر لکھا اور خاص امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہم جیسی گراں قدر شخصیتوں پر لکھ کر بڑا عظیم کارنامہ سرانجام فرمایا، بلکہ راقم یہ سمجھتا ہے کہ آپ ہی واحد شخصیت ہیں کہ جنہوں نے ان دونوں عظیم ہستیوں کی صحیح معنوں میں پہچان کرائی، ان دونوں عظیم ہستیوں کی عظیم خدمات کو اجاگر کرنے کا سہرا آپ ہی کو جاتا ہے، اعلیٰ حضرت پر تو اتنا لکھا کہ آپ ''ماہرِ رضویات'' ہوگئے۔

مخالفین نے اعلیٰ حضرت کو دبایا اور دباتے رہے لیکن آپ کا قلم حق کی جانب تھا اور اعلیٰ حضرت کو ابھارنے میں کوشاں تھا۔ جتنا اعلیٰ حضرت کو دبایا گیا، اتنا ہی آپ کے قلم نے اعلیٰ حضرت کو اُبھارا۔ الحمدللہ! آج اعلیٰ حضرت کا ذکر تمام ملکوں میں ہو رہا ہے۔

• اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ کے افکار ومعارف کو ''جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی صورت میں سارے عالم میں پھیلایا، حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ کی زندگی کا اکثر حصہ حضرت مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات، علمی، دینی، حالات وافکار کو اجاگر کرنے میں گزرا، حضرت مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت کی محبت وعشق کو سارے عالم میں پھیلایا، حضرت کو ان دونوں عظیم ہستیوں سے خصوصی والہانہ وابستگی تھی۔ اسی نسبت سے آپ ان دونوں کے محبوب بن گئے۔

الحمدللہ! آج خود آپ کی ذات گرامی ملتِ اسلامیہ کے لیے عظیم سرمایہ کی حیثیت بن گئی۔ آج عالم سنیت اس عظیم رہبر ورہنما، محقق ومفکر، ولی کامل، سرمایۂ ملت، فخر ملت اور مسعودِ ملت جیسی شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے لختِ جگر وجانشین حضرت ابوالسرور محمد مسرور احمد دامت برکاتہم العالیہ کو ہمت وقوت عطا فرمائے اور ان کے عمل وعمر میں برکت فرمائے۔ آمین۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمۃ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہم سب کو آپ کا نقشِ پا بنائے اور جانشینِ مسعودِ ملت سے آپ کے فیض کو جاری وساری فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وازواجہ واصحابہ وسلم۔

# اک شمع اور بجھی ۔۔۔

## صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

رضا اکیڈمی، لاہور کے بانی و سرپرست ناشر رضویت الحاج صوفی محمد مقبول احمد ضیائی قادری صاحب ۱۳؍جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۸؍جون ۲۰۰۸ء کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔ آپ گزشتہ ۳ماہ سے سخت علیل تھے۔ان کے وصال سے اہلسنّت و جماعت کو ایک اور دھچکا پہنچا، گزشتہ ایک سال میں متعدد اکابرین کی یکے بعد دیگرے جلد مفارقت کے صدموں سے ابھی ہم سنبھل نہ پائے تھے کہ ناشرِ اہلسنّت کی مفارقت کی خبر نے ہمارے غم میں مزید اضافہ کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ورحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

راقم کے برسوں سے ان کے ساتھ برادرانہ اخلاص ومحبت کے تعلقات تھے۔ جب رضا اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو راقم اس کا روزِ اول سے ممبر بنا۔ اول دن سے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے ادنیٰ خادم ہونے کی نسبت سے وہ فقیر اور ادارہ کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت علامہ مولانا تقدس علی خاں قادری حامدی رضوی صاحب، حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نقشبندی، بانی ادارہ وصدرِ اول حضرت مولانا سید ریاست علی قادری نوری رضوی علیہم الرحمۃ سے غایت درجہ محبت واحترام کا برتاؤ فرماتے تھے۔ انہوں نے صرف ہمارے ادارہ کو ہزاروں کی تعداد میں رضا اکیڈمی کی مطبوعات مفت فراہم کیں جو ہم نے برصغیر پاک وہند کے علماء واسکالرز میں تقسیم کیں۔ نتیجتاً رضویات پر تحقیق وتصنیف کے کام میں بڑی تیزی آئی جبکہ ادارۂ ہٰذا کے علاوہ برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کے بیسیوں اداروں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل یہی تھا۔ رضا اکیڈمی (لاہور) کی جانب سے انہوں نے اہلِ سنت کے لیے نشرواشاعت کا ایک ایسا عظیم محاذ کھولا جو وقت کی اہم ضرورت تھی جس کے باعث نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا حنفی قادری قدس سرہٗ بلکہ دیگر علمائے اہلسنّت کی نایاب اور بعض غیر مطبوعہ کتب بھی کثیر تعداد میں علماء، طلباء اور جدید تعلیم یافتہ افراد تک پہنچیں۔ حضرت صوفی صاحب مرحوم ومغفور نے مطبوعات کی مفت ترسیل کا ایک نظام وضع کر رکھا تھا اور نوخیز اہلِ قلم حضرات کو تحریر وتحقیق کی ترغیب وتشویق کے لیے گاہے بگاہے ان کی تصانیف بھی شائع فرما کر مفت ترسیل کرتے رہتے تھے۔ ان کے اس حکیمانہ عمل کی بدولت اہلِ سنت کو بہت سے اچھے اور صاحبِ طرز نوجوان قلمکار میسر آ گئے اور اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ رضا اکیڈمی، لاہور کے قیام کا یہ ایک ایسا مثبت دینی وعلمی پہلو ہے جس کا اجر صبحِ قیامت تک مرحوم ومغفور کو ملتا رہے گا۔

الحاج صوفی مقبول احمد ضیائی قادری علیہ الرحمۃ نہایت خلیق اور رقیق القلب انسان تھے۔ راقم نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ایک انسان اپنے کردار سے اس وقت پہچانا جاتا ہے جب اس کے ساتھ معاملات کئے جائیں (لین دین وغیرہ)، وہ پڑوسی ہو یا پھر سفر وحضر میں اس کا ساتھ رہا ہو۔ راقم ایک بار عمرہ میں ان کے ساتھ رہا، لین دین کے چند معاملات بھی ہوئے، یہ احقر بلا

خوف لومۃ لائم یہ بات عرض کرتا ہے کہ ان کو نہایت متقی، تہجد گزار اور معاملہ کا کھرا، مہمان نواز اور صوفی باصفا پایا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر رحمت و رضوان کی بارش فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔ وہ صرف راقم سے ہی نہیں بلکہ ہر عالم باعمل، اہلِ علم و قلم اور سید زادوں سے بالخصوص نہایت محبت و احترام اور شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ مہمان نوازی ان کے مزاج میں رچی بسی تھی۔ اس ناچیز نے جب بھی کسی شخصیت کے لیے بالخصوص ہندوستان سے آئے ہوئے کسی محترم مہمان کی میزبانی کے لیے استدعا کی، انہوں نے کبھی رد نہ فرمایا نہ کسی لیت ولعل سے کام لیا بلکہ اس فراخدلی سے مہمان نوازی کی کہ آج تک وہ حضرات جب بھی اپنے وطن یا شہر سے راقم کو فون کرتے حضرت صوفی مقبول احمد صاحب مرحوم مغفور کو ضرور سلام کہلواتے اور انہیں نہایت اچھے الفاظ سے یاد کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کی بیماری کی اطلاع راقم نے ہندوستان، پاکستان و بنگلہ دیش میں ان حضرات کو دی تو بریلی شریف سے لے کر ہندوستان اور بنگلہ دیش کے بیسیوں شہروں اور پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں سے احقر کے فون پر اور ان کے صاحبزادۂ ذی وقار حضرت حافظ محمد طاہر رضا حفظہ اللہ تعالیٰ کے موبائل پر علماء، اسکالرز اور دارالعلوم و جامعات کے اساتذہ و طلباء کے عیادتی پیغامات آئے۔ پھر ان کے وصال پُر ملال کے موقع پر بے شمار تعزیتی پیغامات بھی موصول ہوئے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے مرکزی دفتر کراچی اور اس کی شاخ اسلام آباد میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا اور ان کی اشاعتی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدماتِ عالیہ کے طفیل انہیں اعلیٰ علیین میں مقامِ بلند عطا فرمائے نیز ان کے پس ماندگان بالخصوص ان کے صاحبزادہ محترم محمد طاہر رضا حفظہ اللہ تعالیٰ کو مرحوم کی تیمارداری پر اجرِ جزیل اور انتقالِ پُر ملال پر صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین الامین المکین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

قارئین کرام! ہمارے ساتھ مل کر یہ بھی دعا فرمائیں کہ محترم حافظ محمد طاہر رضا زید مجدہٗ کو اللہ تعالیٰ ان کا سچا جانشین اور اہلِ سنت کے نشر و اشاعت کے محاذ کو محافظ و امین بنائے۔ حضور نبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ ہم سب کی نیک دعاؤں کو حافظ صاحب محترم کے حق میں قبول و مقبول فرمائے۔ (آمین)

آخر میں صاحبزادۂ محترم حافظ محمد طاہر رضا صاحب زید مجدہٗ سے راقم کی خصوصی گزارش ہے کہ آپ کے والد ماجد مرحوم و مغفور نے زندگی بھر اپنے مشن، نیکی کے ابلاغ سے غفلت نہ برتی بلکہ زندگی کے ایام مستعار کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر نہایت ہنرمندی اور کارسازی کے ساتھ اپنے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس لیے اب آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ ان کے مشن کو اسی ذوق وشوق اور سوزِ دروں کے ساتھ جاری و ساری رکھیں کیوں کہ بقول اقبالؔ

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو<br>
ہے اس کا مذاق عارفانہ

............ ☆☆☆ ............

# ریویو برائے ایم۔ایڈ تھیسس بعنوان
# جدید ماہر تعلیم اور احمد رضا حنفی کے تعلیمی نظریات کا تقابلی مطالعہ

تھیسس رائٹر: عابدہ شاہین

تھیسس سپروائزر: پروفیسر دلاور خان

تھیسس ریویو رائٹر: سلیم اللہ جندران

بہتر سے بہترین کی جستجو انسان کی فطری خواہشات میں شامل ہے۔ حالات کی بہتری، مسائل کے حل اور ترقی کا سفر رواں دواں رکھنے کے لیے کبھی تو ماضی، حال اور مستقبل کا آپس میں تقابل کیا جاتا ہے۔ کبھی مخصوص تناظر میں کم ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک اور ترقی یافتہ ممالک کے حالات کا آپس میں موازنہ یا تقابل پیش کیا جاتا ہے۔ مشرق و مغرب اور قدیم و جدید کی مباحث پر مبنی حالات و واقعات بھی بعض محققین کی تحقیقات کا موضوع ہوتے ہیں۔

زیر بحث مقالہ میں جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر کراچی کی طالبہ نے سیشن ۰۷۔۲۰۰۶ کے دوران اپنے تحقیقی مقالہ میں احمد رضا خان حنفی (۱۹۲۱ء۔۱۸۵۶ء)، جان ڈیوئی (۱۹۵۲ء۔۱۸۵۹ء) اور روسو (۱۷۷۸ء۔۱۷۱۲ء) کے تعلیمی نظریات کا آپس میں تقابل پیش کیا ہے۔ اس طرح اس مقالہ میں اٹھارویں صدی عیسوی کے نمائندہ جدید ماہر تعلیم روسو اور انیسویں بیسویں صدی کے نمائندہ مسلم مفکر امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے تعلیمی افکار پر بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ ۱۷ویں صدی سے لے کر ۲۰ویں صدی تک کے ان تینوں نمائندہ ماہرین تعلیم کے افکار کی مباحث پر مبنی ہے۔ روسو کا تعلق جنیوا (سوئٹزرلینڈ) اور جان ڈیوئی کا تعلق نیو انگلینڈ سے تھا۔ امام احمد رضا خاں کا تعلق بریلی (انڈیا) سے تھا۔ تہذیبی اور جغرافیائی لحاظ سے یہ مقالہ مشرق، مغرب، ایشیا اور یورپ کے خطوں میں متعلقہ ادوار کے نمائندہ ماہرین تعلیم کے افکار پر مبنی ہے اس طرح اس مقالہ کا کینوس وسیع ہے۔

ایم۔ایڈ لیول کا یہ تھیسس ۳۶۹ (تین سو انہتر) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے نو (۹) ابواب تشکیل دیئے گئے ہیں۔ اٹھاسی (۸۸) کتب کی فہرست مقالہ کے آخر میں دی گئی ہے۔ باب اوّل امام احمد رضا خاں کی تحریر کردہ حمد و نعت، بیانِ مسئلہ اور مقاصد خاص و عام پر مبنی ہے۔ بابِ دوم میں امام احمد رضا خان کا شجرۂ حسب و نسب شجرۂ عالیہ قادریہ، تاریخی پسِ منظر، آباؤ اجداد، تصانیف، کا تذکرہ موجود ہے۔ باب سوم تحقیقی طریقۂ کار اور آلات تحقیق کے بیان پر مبنی ہے۔ باب چہارم میں اسلامی نظریۂ تعلیم قرآن و حدیث مبارکہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ باب پنجم امام احمد رضا خان کے تعلیمی نظریات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ یہ ۱۱۸ تا ۱۸۴ یعنی چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ باب ششم میں جان ڈیوئی کے تعلیمی نظریات صفحہ ۱۹۹ تا ۲۳۶ یعنی اڑتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ باب ہفتم روسو کے تعلیمی نظریات کے تجزیہ پر صفحہ ۲۳۸ تا ۳۰۱ یعنی (۶۳) تریسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ باب ہشتم کی فصل اول میں جان ڈیوئی اور امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریات کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں روسو اور امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریات کا تقابلی مطالعہ دیا گیا ہے۔ باب ہشتم کی فصل اول اور دوم میں احمد رضا حنفی اور ڈیوئی کے تعلیمی نظریات کے مماثلات اور اختلافات، اسی طرح روسو اور احمد رضا حنفی کے تعلیمی نظریات کے مابین بھی مماثلات اور

اختلافات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔

جان ڈیوئی اور احمد رضا حنفی کے تعلیمی افکار میں مماثلت جاننے کے لئے (۴۶) چھیالیس بیانات تیار کئے گئے ہیں جو کہ بالترتیب عقائد/ مقاصد تعلیم/ نصاب تعلیم/ نصاب سازی کے اصول/ طریقہ تدریس/ استاد کا کردار/ متعلم کا کردار/ نظریۂ تعلیم سے متعلق ہیں۔ ان ۴۶ بیانات میں سے صرف ۹ (نو) بیانات میں دونوں مفکرین میں مماثلت پیش کی گئی ہے۔ مثلاً دونوں مفکرین بچوں کو ان کی ذہنی صلاحیت، کھیل کے رجحانات، معاشرتی آگہی، دنیاوی علوم کے سیکھنے کی ترغیب، استاد کی اہمیت اور حقائق پر مبنی تعلیم پر متفق ہیں۔ نمایاں اختلافات کو علیحدہ مقالہ میں درج کیا گیا ہے جس کی تعداد ۹ (نو) ہی ہے۔ مثلاً وہ یہ کہ امام احمد رضا خاں کے نزدیک علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے مگر ڈیوئی کے ہاں 'عقل' کو بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا خاں کے ہاں تعلیم کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے مگر جان ڈیوئی کے ہاں مادی ضروریات پر توجہ دی گئی ہے۔ امام احمد رضا خاں بیان کرتے ہیں کہ فاعل کُل ذات باری تعالیٰ ہے اور تعلیم کے احکام حضور پر نور ﷺ کے تابع ہیں مگر ڈیوئی کے ہاں فاعل کُل فطرت ہے اور تعلیم کے احکام ماننے کے لئے کوئی لازمی ذریعہ درکار نہیں۔ امام احمد رضا خان نے دینی، سیاسی، معاشی، تعلیمی اقدار کے تحفظ پر زور دیا ہے مگر ڈیوئی کے ہاں اس کا تذکرہ اس انداز میں موجود نہیں۔

زیر تبصرہ مقالہ میں تعلیمی جزئیات پر مبنی بیانات کی طویل فہرست بطور آلہ تحقیق امام احمد رضا خاں اور روسو کے درمیان مماثلت جاننے کے لئے بھی اختیار کی گئی ہے۔ بہرحال مماثلتی پہلو چند ایک ہی بیان کیے گئے ہیں مثلاً سوال و جواب کا طریقہ دونوں میں یکساں بیان کیا گیا ہے۔ دونوں کے ہاں نصاب میں طلبا کی ذہنی استعداد، عمر اور ان کے رجحانات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ بچوں کو پیار و محبت اور کھیل کے ساتھ تعلیم دینے پر امام صاحب اور روسو ہر دو کے ہاں زور دیا گیا ہے۔ جہاں تک امام احمد رضا خاں اور روسو کے تعلیمی نظریات کے اختلافات کے تجزیہ کا تعلق ہے تو مقالہ نگار کی یہ تحقیق ہے کہ امام احمد رضا خاں کے تعلیمی نظریہ کی بنیاد اسلامی نظریہ پر ہے جبکہ روسو کے ہاں تعلیم کی بنیاد مذہبی نظریہ پر نہیں ہے۔ امام صاحب کے ہاں تعلیم کے احکام حضور پر نور ﷺ کے تابع ہیں جبکہ روسو کے ہاں تعلیم کے احکام کو سیاسی قائدین کے تابع بیان کیا گیا ہے۔ رضوی نظریۂ تعلیم میں مابعد الطبعیات پر بحث کی گئی ہے۔ روسو کے ہاں آخرت کے تصور اور مابعد الطبعیات کی تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام احمد رضا خاں کے ہاں مخلوط نظام تعلیم کی مذمت کی گئی ہے جب کہ روسو کے ہاں اسے پسند کیا گیا ہے۔ رضوی نظریۂ تعلیم میں مسلم سائنس کا تصور ہے جبکہ روسو کے ہاں اس کا تصور نہیں ہے۔

مذکورہ مقالہ کو اگر مجموعی طور پر اجمالاً دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں اسلامی نظریۂ تعلیم کے بڑے مدلّل نمائندہ تعلیمی مفکر ہیں۔ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں تعلیم کی نصابی، نفسیاتی بنیادیں قرآن و سنت سے ہی ماخوذ ہیں جبکہ ڈیوئی اور روسو کے ہاں تعلیم مذہب کے دائرہ کار کے اندر اس طرح محدود یا مقید نہیں ہے۔ یہی پہلو اس مقالہ میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

یہ مقالہ تاریخی تحقیق کے تحت تحریر کیا گیا ہے۔ یہ اردو زبان میں تحریر کردہ ہے۔ مقالہ نگار نے اپنے سپروائزر پروفیسر دلاور خاں (پرنسپل جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر، کراچی) کی زیر نگرانی اپنی تحقیق کو لائبریری ریسرچ تک محدود رکھا ہے۔ بہرحال اس موضوع پر ایک اور مقالہ انگریزی زبان میں ۲۰۰۷ء میں ہی یونیورسٹی آف ایجوکیشن فیصل آباد کیمپس میں لکھا جا چکا ہے مگر اس کا طریق تحقیق اس مقالہ سے یکسر مختلف ہے۔ وہاں مصنف مذکور نے امام احمد رضا خاں، جان ڈیوئی اور روسو کے مابین مماثلات اور

اختلافات جاننے کے لئے ماہرین تعلیم اور ورکنگ ٹیچر سے آراء حاصل کرکے ان کے تجزیہ کی روشنی میں حاصلات بیان کی ہیں۔ یہ مقالہ محمد افضل صدیقی صاحب نے اسسٹنٹ پروفیسر عبد الغفار گوہر صاحب کی زیرنگرانی مکمل کیا تھا۔ اس پر راقم کا ریویو 'معارفِ رضا' انگریزی جرنل جلد ۲۰۰۸-۲۸، صفحات ۱۲۷-۱۳۳، ''معارفِ رضا'' اردو جرنل جلد ۲۸، شمارہ ۱-۳، صفحات ۲۴۵-۲۴۷، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی (پاکستان) اور سالنامہ ''یادگارِ رضا'' ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، رضا اکیڈمی ممبئی (انڈیا) صفحات ۱۵۱ تا ۱۵۴ پر شائع ہوچکا ہے۔ اگر یونیورسٹی آف ایجوکیشن فیصل آباد کیمپس سے مکمل ہونے والے اس تھیسس کا موازنہ جامعہ ملیہ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملیر کراچی (جامعہ کراچی) سے کیا جائے تو جامعہ کراچی سے مکمل ہونے والے اس تھیسس میں تینوں مفکرین تعلیم کے تعلیمی افکار پر مواد جامع، منظم، مربوط اور مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے اس کا معیار بھی بہتر ہے بہرحال اس میں بعض توجہ طلب پہلو ضرور ہیں مثلاً اس مقالہ میں بھی حوالہ جات کے اندراجات اور کتابیات کی ترتیب و اندراج میں درستی درکار ہے۔ اسے صحیح انداز میں up-date کرنا ابھی باقی ہے۔ پھر اس مقالہ کا Format بھی توجہ طلب ہے۔ بعض مقامات پر بے جا حجم بڑھانے کی سعی کی گئی ہے۔ پروف ریڈنگ کی بہت غلطیاں موجود ہیں۔

اس تھیسس میں متعلقہ ادب کے جائزہ (Related Literature Review) والا باب شامل نہیں کیا گیا جس میں یہ بیان کیا جانا ضروری تھا کہ اس سے پہلے تعلیمی افکارِ رضا پر کس قدر کام ہوچکا ہے۔ مقالہ نگار کے علم میں ہونا چاہیے تھا کہ امام احمد رضا خان کے تعلیمی افکار کے مختلف پہلوؤں پر اب تک ۱۸ (اٹھارہ) ماسٹر درجہ کے مقالات لکھے جاچکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی و تحقیقی حلقوں میں یہ امر بھی بعض کے نزدیک معترضہ ہوسکتا ہے کہ دونوں مقالات کا موضوع جو علیحدہ سے دو مختلف جامعات سے مکمل ہورہے ہیں ان کا موضوع ملتا جلتا ہے۔ بہرحال ان دونوں مقالات کا طریقۂ تحقیق یکسر مختلف ہے اور حدود کار بھی مختلف! عابدہ شاہین کے اس مقالہ کا معیار مزید بہتر ہوتا اگر جان ڈیوئی، روسو اور امام احمد رضا خاں کے تعلیمی افکار پر مبنی بنیادی ماخذوں (Primary Sources) سے استفادہ کیا جاتا۔

اختتام میں یہ کہنا بجا ہے کہ چونکہ یہ مقالہ ایم۔ایڈ درجہ کا ہے۔ اس کے لیول کے پیش نظر یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ یہ مقالہ ان اطلاقات کی نشاندہی کرتا ہے کہ امام احمد رضا خاں کا نظریۂ تعلیم روسو اور جان ڈیوئی کے نظریات تعلیم کے بھی بعض پسندیدہ پہلوؤں کو سموئے ہوئے ہے اور ان کے نظریات کے وہ پہلو جو کہ دین اسلام سے متصادم ہیں ان کی حوصلہ شکنی اور تدارک کرتا ہے لہٰذا اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان کے لئے امام احمد رضا خاں ایسے مفکر تعلیم کے نظریات کی تدریس پاکستان کی تہذیبی، ثقافتی، جغرافیائی، ملی و سیاسی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے لئے بڑی معاون و مؤثر ہے۔ یہ مقالہ ٹیچرز ٹریننگ کالجز، ایجوکیشن کالجز اور یونیورسٹیز کے ڈیپارٹمنٹس آف ایجوکیشن کے متعلقین اور دینی مدارس کے منتظمین کے لئے نصاب سازی کے تعلیمی عمل کی خاطر اہم رہنما خطوط مہیا کرتا ہے۔ بہرحال اس کام کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، بہتر ہوگا کہ ایم فل یا پی ایچ ڈی درجہ کا کوئی تحقیقی کام اس سمت میں (replication) کے تحت یعنی مزید بہتر طریق تحقیق کی صورت میں سامنے آئے۔ بین الاقوامی تناظر میں مشرقی و مغربی فلاسفر اور ایجوکیشنل تھنکرز پر مشترکہ ریسرچ سے بین التہذیب/ بین المذاہب مکالمہ کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے زیر بحث موضوع کی بین الاقوامی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس طرح اسلام کے بارے میں مشہور بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔

تبلیغ قران وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی" کے علمی وتحقیقی ادارے "**المدینة العلمیة**" کی مایہ ناز پیشکش
صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ الغنی کی مشہور ومعروف تصنیف اور عالم بنانے والی کتاب

# "بہارِ شریعت" (جلد اوّل)

خوبصورت انداز میں جدید کمپوزنگ اور تخریج وتسہیل کے ساتھ "**مکتبة المدینه**" بابُ المدینہ کراچی سے شائع ہو کر سے منظر عام پر آچکی ہے۔

## اس عظیم پیشکش کی چند خصوصیات

﴿1﴾ **قدیم وجدید رسم الخط**: بہارِ شریعت میں آنے والے مختلف الفاظ کے قدیم وجدید رسم الخط کو آمنے سامنے لکھ دیا گیا ہے۔

﴿2﴾ **ہر مسئلہ کا آغاز نئی سطر سے**: ہر حدیث ومسئلہ نئی سطر سے شروع کرنے کا التزام کیا گیا ہے اور عوام وخواص کی سہولت کے لئے ہر مسئلے پر نمبر لگانے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

﴿3﴾ **مکمل حوالہ جات**: آیاتِ قرانی، احادیثِ مبارکہ اور فقہی مسائل کے مکمل حوالہ جات' کتاب، جلد، باب، فصل اور صفحہ نمبر کی قید کے ساتھ تلاش کئے گئے، جس کی وجہ سے اب درسِ نظامی کے ابتدائی درجات کا طالب علم بھی ان مسائل کو عربی کتب میں بآسانی تلاش کر سکتا ہے۔

﴿4﴾ **مشکل الفاظ کے معانی و اعراب**: حروف تہجی کے اعتبار سے حلِ لغت کی ایک فہرست کا اہتمام کیا گیا ہے۔

﴿5﴾ **اصطلاحات کی وضاحت**: اس جلد میں جہاں جہاں فقہی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، ان کو ایک جگہ اکٹھا بیان کر دیا گیا ہے۔

﴿6﴾ **حواشی**: صدر الشریعہ علیہ رحمۃ ربّ الورٰی کے حواشی کو کتاب کے آخر میں دینے کے بجائے متعلقہ صفحہ ہی پر نقل کر دیا اور حسبِ سابق ۱۲ منہ بھی لکھ دیا ہے۔ مسائل کی تصحیح، ترجیح، توضیح اور تطبیق کی غرض سے المدینۃ العلمیۃ کی طرف سے بھی حاشیہ دیا گیا ہے۔

﴿7﴾ بہارِ شریعت حصہ اوّل کے حواشی کا انداز کچھ یوں ہے: a...... کسی بھی عقیدہ یا مسئلہ پر دلائل ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے آیت قرآنی کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ b.. اس کے بعد حدیث کی مستند کتب صحاح ستہ میں سے کسی کتاب سے کوئی حدیث ذکر کی گئی ہے اور ان میں نہ ملنے کی صورت میں اور دوسری کُتبِ حدیث کی طرف رُجوع کیا گیا۔ c.. پھر اس حدیث پاک پر محدثین کرام کی بیان کردہ شروحات میں سے کوئی شرح جو عقیدہ کے موافق ہو بیان کی جاتی ہے۔ d... اس کے بعد عقائد کی مستند کتب "فقہ اکبر"، "شرح فقہ اکبر"، "مواقف"، "شرح مواقف"، "شرح مقاصد"، "شرح عقائد نسفیہ" اور المعتقد المنتقد وغیرہا سے موافقِ عقیدہ نص بیان کی جاتی ہے۔ e.. اسی طرح جہاں کہیں ضمناً سیرت وتاریخ کے حوالے سے کوئی بات ذکر کی گئی ہو تو وہاں کتب سیرت وتاریخ سے مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ f... اسی طرح فقہی مسائل کے بیان میں کتب فقہیہ سے مسئلہ کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے جس میں شروحات اور فتاوی بھی شامل ہیں۔ g... اور پھر آخر میں عقائد ومسائل کے بیان میں مزید وضاحت کے لیے "فتاوی رضویہ" شریف سے تخاریج اور اقتباسات کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔

**ملنے کا پتہ "مکتبة المدینه"** عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ محلہ سوداگراں پرانی سبزی منڈی باب المدینہ کراچی۔ فون: ۹۱-۹۰-۴۹۲۱۳۸۹

اس کے علاوہ یہ کتاب مکتبۃ المدینہ کی شاخوں اور معروف مکاتبِ اہل سنت پر دستیاب ہے۔

# عالمِ اسلام کے عظیم و نامور مذہبی مفکر و دانشور

حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی بلاشبہ عالمِ اسلام کے ایک عظیم و نامور مذہبی مفکر و دانشور، فاضلِ علومِ اسلامی اور زبردست صاحبِ طرز ادیب تھے۔ ایک دنیا ان کی اس حیثیت کا اعتراف کر چکی ہے اور آپ کی تحقیقی و تصنیفی زندگی کا یقیناً یہ ایک روشن باب ہے کہ آپ نے عصری دانش گاہوں کی تعلیمی و تدریسی زندگی میں مذہبی و علمی خدمات کا تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ اس طرح سے آپ بنیادی طور پر جہاں مذہبی اہلِ علم طبقے کے لیے نمونۂ عمل ہیں، اس سے کہیں زیادہ عصری تعلیم یافتہ طبقے کے لیے بھی مذہبی تشخص، علمی وقار، عالمانہ طرزِ زندگی اور محققانہ طرزِ تصنیف و تالیف کے حوالے سے قابلِ تقلید شخصیت ہیں۔ اس سے بڑی قابلِ ذکر بات یہ کہ آپ کی قلمی زندگی کے جو دو اہم تحقیقی میدان ہیں، رضویات، مجددیات، ان میں آپ نہ صرف یہ کہ پاکستانی اہلِ قلم محققین کے بلکہ ہندوستان جہاں کے یہ موضوعات ہیں، بشمول اس کے تمام دوسرے ممالک کے اہلِ قلم کے سرپرست، براہِ راست یا قلمی نگراں، مشیر کار اور شاہراہ و ذہن ساز ہیں۔

(ماہنامہ ''کنزالایمان'' دہلی، جولائی ۲۰۰۸ء کے اداریہ سے اقتباس)